مئی ۸۱

ماہنامہ

المبشر

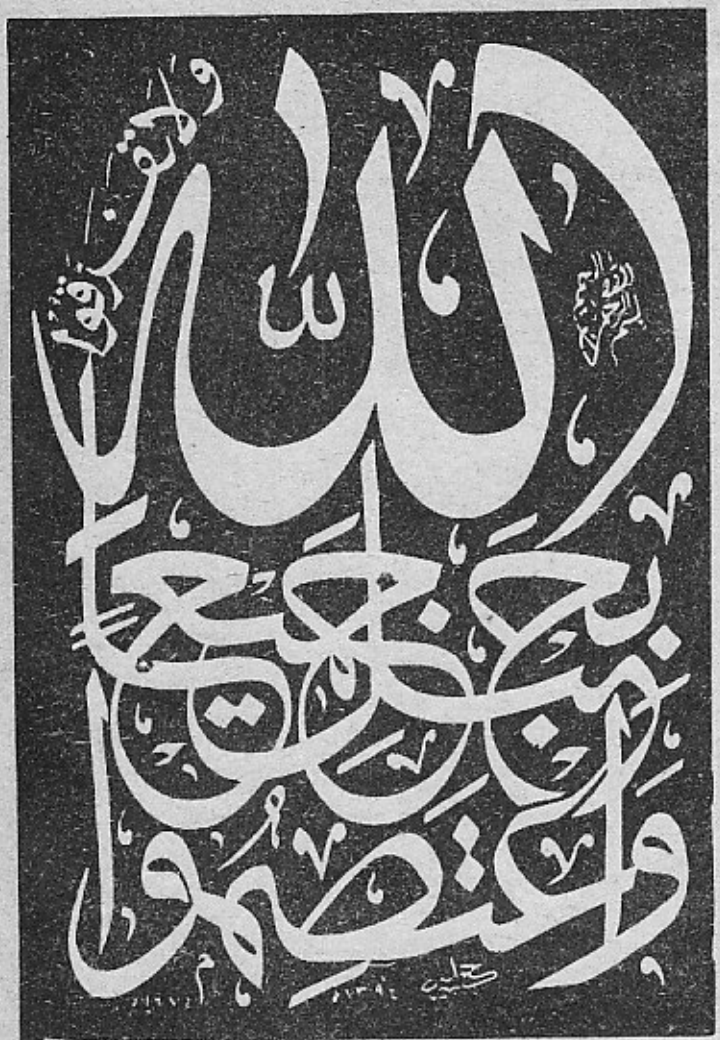

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ

عصر جدید کے فتنوں میں سے سب سے بڑا فتنہ یہ ہے کہ آج کا انسان زندگی کی روحانی اساس سے نہ صرف بیگانہ ہے بلکہ عقیدۂ آخرت سے بھی یا تو ناآشنائے محض ہے یا اُس سے متعلق یقین کرنے سے ذہنی فرار پر آمادہ نظر آتا ہے، وہ زندگی معنویت یا کسی غایت کے تصوّر سے کتراتا ہے۔

غیر اسلامی دنیا میں تو اس المیہ کا کچھ جواز بظاہر ہو سکتا ہے لیکن امت مسلمہ میں اس قسم کی سوچ کا وجود یا اُسکی پرچھائیں بھی ناممکن ہے ——— مگر صحبت ناجنس اور غیروں کے سیاسی اثر و نفوذ اور وسواس الخناس کو دیکھئے کہ یہاں بھی ایسے 'بزرجمہر' اہل دانش کہیں کہیں غیروں کے افکار کی جگالی کرتے نظر آتے ہیں۔ بعض تو اَب کھلم کھلا یہ کہنے لگے ہیں کہ امت مسلمہ میں "ترقی" نہ کر سکنے کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کا زیادہ انہماک "اُمورِ آخرت" کی طرف ہو گیا ہے۔ حالانکہ امت مسلمہ کی تاریخ اس مفروضہ سے باکرتی ہے۔ مسلمان کی ترقی اور اس کا دنیوی و اُخروی کمال اور عروج اُس کے ایمان محکم اور عمل صالح سے وابستہ ہے۔

زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں ایمان بالآخرہ اسلامی زندگی کا اساسی عقیدہ ہے جس کے بغیر اس کا تصوّر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

آخرت کے متعلق یقین نہ ہونے کے نقد اور عظیم نقصان کی نشاندہی خود خالق انسان نے عجیب انداز میں فرما دی کہ ان الذین لا یؤمنون بالاٰخرۃ زینا لھم اعمالھم فھم یعمھون۔ یعنی ایمان بالآخرۃ کے اعتبار سے تہی دامنی کا پہلا اثر یہ ہوتا ہے کہ حسن و قبح کا معیار بدل جاتا ہے یہیں بلکہ الٹ جاتا ہے۔ چنانچہ جب اس انقلاب کی بنیاد رکھی گئی تو ایک عارف نے کہا تھا

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز
کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

اب تو حالات یہاں تک پہنچ چکے ہیں ہر انفرادی اور اجتماعی برائی پر پوری ڈھٹائی سے اعلیٰ درجے کی خوبی کا لیبل لگا دیا جاتا ہے پھر اس کاروبار میں اپنی تمامتر صلاحیتیں پھونک دی جاتی ہیں۔

دوسرا اثر یہ بتایا کہ عملی زندگی میں ان کی حالت یعمھون کی ہوتی ہے اس لفظ کا مفہوم سمجھنے کے لئے اس منظر کا تصوّر کیجئے کہ ایک گاڑی کا انجن درست ہے۔ تیل موجود ہے انتہائی تیز رفتار سے دوڑ رہی ہے مگر اس کا ٹائی راڈ کھل گیا ہے اس وجہ سے اس کی قوت اور رفتار میں کوئی فرق نہیں پڑتا مگر سمت سفر پر کنٹرول قائم نہیں رہتا کبھی وہ کسی درخت سے ٹکراتی ہے کبھی کسی کھڈ میں گرتی ہے کبھی کسی دیوار سے تصادم ہوتا ہے۔ سوار چوٹیں کھا رہا ہے پریشان ہے مگر کچھ بن نہیں پڑتا انجن مسلسل چل رہا ہے مگر گاڑی کا ہر قدم تباہی کی طرف جا رہا ہے۔

اب افراد بلکہ اقوام عالم کی یہی کیفیت ہے کہ ٹائی راڈ کھل چکا ہے۔ معاشرتی اور اخلاقی برائیوں کا سیلاب آرہا ہے اور وہ قوم بھی اس میں مسلسل غوطے کھا رہی ہے جسے تقدیر امم بدلنے کا منصب عطا ہوا تھا۔ اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس امر کی ہے۔ کہ مسلمان کہلانے والے افراد اور اقوام آخرت کا یقین پیدا کرنے کی فکر کریں، تاکہ سمت سفر درست ہوسکے ورنہ اس عظیم تباہی کے غار سے نکلنے کی کوئی صورت نہیں۔

ع بیا ور بدیگر اینجا بود سخندانے

اسرار التنزیل

مولانا محمد اکرم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ ..... وَھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ"

"لوگو! اپنے رب کی بندگی کرو جس نے تمہیں پیدا کیا، جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی اُتارا اور اس سے تمہارے کھانے کے لئے پھل پیدا کئے۔ تم کسی کو بھی اللہ کے مقابل نہ ٹھہراؤ، اور تم تو جانتے ہو، اور اگر تمہیں اس کلام میں جو ہم نے اپنے بندے پر اُتارا ہے تمہیں کچھ شک ہو تو اس جیسی ایک سورت لے آؤ، اور بلاؤ اُس کو جو تمہارا مددگار ہو خدا کے سوا، اگر تم سچے ہو، پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں۔ تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے۔

اور خوشخبری دے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ اُن کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں، جب ملے گا اُن کو وہاں کا کوئی پھل کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو پہلا تھا ہم کو اس سے پہلے اور دیئے جائیں اُن کو پھل ایک صورت کے اور اُن کے لئے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔

اللہ کریم نے انسانوں کی ارشاد فرما دیں جو بُنیادی طور پر دو ہیں مومن اور کافر، مُنافق بھی کافر ہی ایک قسم ہے گویا انسانوں کی تقسیم رنگ و نسل یا وطن پر نہیں بلکہ اصل تقسیم دین و مذہب کی بُنیاد پر ہے جسے عام طور پر دو قومی نظریہ کہا جاتا ہے حقیقتاً یہی منشاءِ قرآن ہے جب بات یہاں تک ہو چکی تو قرآنی دعوت شروع ہوئی کہ اے اولادِ آدم اس میں مومن اور کافر سب شامل ہیں کافر کے لئے دعوتِ ایمان ہے تو مومن کے لئے دعوتِ عمل۔ کہ اے لوگو عبادت کرو اپنے رب کی، یہاں اللہ تعالیٰ کے اسم ذات کی جگہ اسم صفت رب استعمال ہوا ہے رب اسے کہتے ہیں جو ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت ہر وقت اور ہر جگہ پوری کرے عبادت کی حقیقت اطاعت ہے تو ایسی ہستی کی اطاعت کی طرف دعوت ہے جو ہر متنفس کی حاجت برآری کر رہا ہے وہ کیسے سب سے پہلے خود تمہارا اور تم سے پہلوں کا خالق ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔ نیلیست سے ہیست اور نابود سے بود کیا پھر اس نے تمہیں اپنی تخلیق کا شاہکار بنایا۔ وہ اگر چاہتا تو پتھر بنا دیتا کوئی جانور بنا دیتا مگر اپنے کرم سے تمہیں انسان بنایا یہ حُسن و جمال یہ عقل و حزبہ تناسب اعضا اور مناسب قویٰ یہ سب کیا ہے اسی کا کرم ہے اس کا لُطف ہے کہ تم تو تھے ہی نہیں مانگتے کیا اس نے بن مانگے کیا کچھ دیا کس قدر دیا دراصل احساس تشکر انسانی مزاج میں ہے اور یہی شے عبادت کی بُنیاد ہے انسان ہر دور میں کسی نہ کسی طرح مذہب سے وابستہ رہا اور جس شے سے اپنی ضروریات کو وابستہ جانا اور سمجھا کہ یہ میری ضروریات پوری کر رہی ہے یا اگر ناشکری کی تو حاصل شدہ نعمتوں

میں سے کوئی زائل نہ ہو جائے وہ اس شے کو اپنی سمجھ کے مطابق پوجتا رہا اس کی عبادت کرتا رہا یعنی اس کے سامنے اپنے احساس تشکر کو پیش کرتا رہا اگرچہ مذاہب باطلہ کو یہ غلطی ضرور لگی کہ انہوں نے مختلف طاقتوں یا چیزوں کو اپنا حاجت روا سمجھا اور پھر اپنی دانست کے مطابق انہیں پوجتے رہے یہاں اللہ کریم نے انسان کے اسی پہلو سے بحث فرمائی ہے کہ تجھے شکر تو اس کا ادا کرنا مناسب ہے جو بیک وقت تیری ساری ضروریات کا کفیل ہے اور تیری تمام حاجات کو پورا کرنے والا۔ سب سے پہلی نعمت تو خود تیرا وجود ہے جو اس کے دستِ قدرت کی کاریگری ہے اور پھر اس وجود کے بننے میں وہ تیرا کس قدر نگہبان ثابت ہوا کہ صلب پدر سے رحم مادر تک تو کسی اور کو سوا اس کے نہیں دیکھتا وہی ہے جو مختلف مراحل میں سے تجھے سلامت گزار کر خلاقتوں اور تاریکیوں میں تیرے حسن و جمال کی تکمیل کر رہا ہے تو کیا وہ ایسا ہے کہ از تخلیق تجھے دوسرے کا دست نگر بنا دے ہرگز نہیں بعد میں بھی تیری ضروریات وہی پورا کرتا ہے۔ اس لئے عبادت بھی اسی کا حق ہے کامل اطاعت بھی اسی کی ہونی چاہئے۔ وہ تمہارا اور تم سے پہلوں کا سب کا خالق قبلکم تو فرمایا مگر بعد کہہ کا ذکر نہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ اُمت سب سے آخری اُمت ہے۔ اب جو بھی پیدا ہو گا اسی اسی اُمت کا فرد ہو گا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی نیا نبی ہے نہ نئی امت سو تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا فرمایا۔ اس کی عظمت کا اندازہ اپنی تخلیق کی باریکیوں سے لگا لو ایک ایک بال ایک ایک مسام کس قدر عظیم صفت ہے یہ دل اور جگر کس نے بنایا ہے معدے کا نظام کس کا مرہونِ منت ہے زبان کا صانع کون ہے آنکھوں کو کس نے روشن کیا دماغی قوتیں کس کی عطا کردہ ہیں اور پھر ساری کائنات کا خالق بھی تو وہی ہے مگر تیری تخلیق ہی ایسی فرمائی کہ تو محض اپنی خلقت میں سب سے بازی لے گیا اور باقی صنعت تیری خدمت پہ لگی ہے۔ سورج ہو چاند ہوا ہو یا بادل کھیتی ہو یا پھل جانور ہو یا پرند یہ سب چیزیں محض خلقت ہی میں تیری خادم بن گئیں تیرا اپنانا کوئی عام بنانا نہیں بلکہ بناتے بناتے میں تجھے سردار بنا دیا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ سبحان اللہ اب تو اس کی بندگی کر اس کی اطاعت کر اسے اپنے احساس تشکر کو اس کے سامنے ظاہر کر کہ اے اللہ میں تیرا متشکور و ممنون ہوں جو تو فرمائے گا میں کروں گا کہ وہ تیرا اور تجھ سے پہلوں کا خالق ہے لعلکم تتقون۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ تقویٰ کیا ہے؟ تقویٰ نام ہے قلبی کیفیت کا، احساس کا، ایک ایسے احساس کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے روک دے اور اللہ کی اطاعت پہ کمربستہ کر دے۔ کبھی ڈر اور کبھی پرہیزگاری سے اس کا جو ترجمہ کیا جاتا ہے جو مسلسل اطاعت بجا طور پہ ادا نہیں کر پاتا۔ یہ ایک احساس ہے ایک شعور اور ایک قسم کی آگہی کا نام ہے جو مسلسل اطاعت سے حاصل ہوتی ہے تو گویا یہ ثمرات میں سے ہے اور ثمرات ہمیشہ وہی ہوتے ہیں جو اللہ کی طرف عطا ہوتے ہیں۔ لیکن اعمال کی حد تک ہوتا ہے تو کسب کیا ہے اطاعت، عبادت، ذکر، فکر اور اس سب پر جو پھل لگتا ہے وہ ہے تقویٰ۔ احساس تشکر ایک جذب دروں ہے جو اللہ سے دور نہ ہونے دے ایک غیر مرئی دیوار ہے جو بندے اور گناہ میں حائل ہو جائے ایک مضبوط رسہ جو اللہ کی طرف کھینچ رہا ہو۔ یہاں بعض لوگوں کو جو غلطی لگتی ہے کہ ذکر کرنے سے یا عبادت و اطاعت سے مجھے مختلف کمالات کیوں حاصل نہیں ہوتے اس کا جواب بھی ہے کہ اطاعت کا ثمرہ تقویٰ ہے سو ہر شخص کو یہ دیکھنا چاہئے کہ پہلے میرے دل کی میرے اعمال کی اور میرے احساسات کی حالت کیا تھی اور ذکر اذکار یا عبادت کے کرنے کے بعد میری قلبی کیفیت کیا ہے اور میرے اعمال میں کیا تبدیلی آئی ہے اگر واقعی اللہ کی نافرمانی

م ہو رہی ہے اور جذبۂ اطاعت پیدا ہو رہا ہے تو جس مجلس کی یہ برکات ہیں وہ حق ہے اور اگر محض وقتی ہیجان اور جوش ہے مگر دل میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں آ رہی جو بدن کو منہیات سے روک دے تو وقت کا ضیاع ہے۔ کشف و کمال حاصل ہو تو مزید انعام نہ ہو تو کوئی حرج نہیں مگر تقویٰ ضرور حاصل ہونا چاہیئے خواہ کسی درجے میں ہو۔ ہر شخص کا تقویٰ بھی اس کی ہمت کے مطابق ہوگا۔ اس عالم آب و گل میں رضائے باری کا مظہر ہی تقویٰ ہے اور آخرت میں جنت اس کے اظہار کا سبب ہوگا تو گویا تقویٰ کی صفت ہی مقصودی صفت ہے اور انسان کو لازم ہے کہ اسے حاصل کرنے میں قوت صرف کرے یہاں تک تو ان دلائل کا تذکرہ تھا جنہیں انفسی کہتے ہیں مگر یہاں سے دلائل آفاقی اور انعامات آفاقی کا ذکر شروع ہوتا ہے الذی جعل لکم سے وانتم تعلمون تک۔ ایسا رب جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش بنا دیا یعنی تمہارے بسنے کے قابل دیا۔ بالکل ایسی بنائی جیسی تمہارے لئے ضروری تھی باوجود کروی شکل کے ہر جگہ بچھی ہوئی ہے نرم ایسی کہ سوئی سے کھود لو سخت ایسی کہ بڑی بڑی عمارتیں اٹھائے ہوئے ہے۔ طرح طرح کی نعمتوں سے اس کا سینہ پُر ہے۔ رنگا رنگ غذائیں اور بے شمار دوائیں اپنے اندر رکھتی ہے جو ہر دور میں ہر انسان کو اپنے حصے کے مطابق مل رہی ہیں۔ نہ پچھلوں کا حصہ پہلوں کو ملا نہ ان کی کوئی شے پچھلوں کے لئے چھپا کر رکھی ایک خود کار بینک ہے جس میں ضرورت کی سب چیزیں موجود ہیں۔ فرش ایک آرام دہ بچھونا ایک ایسا ٹھکانا جہاں واقعی قیام کیا جا سکے بچھونا راحت کے لئے ہوتا ہے۔ زمین سب سے اعلیٰ درجے کا بچھونا ہے کہ تمام ضرورت کی چیزیں اپنے اندر رکھتی ہے جس نے تمہیں بنایا اسی نے تمہارے لئے اس کو اس قدر مفید بنا دیا ہے اور آسمان کو چھت۔ جو ہر وقت ہر جگہ تنی ہوئی ہے بغیر کٹنے پھٹنے کے بغیر دیوار و ستون کے بغیر کسی تمہاری محنت کے اس میں سورج چاند ستارے تمہاری خدمت پہ کمربستہ ہیں۔ اور پھر ایسا قادر کہ پانی کو جو پستی کی طرف جانے کا عادی ہے۔ بلندی پہ لے گیا بھاپ بنا کر دریائے شور سے میٹھا پانی اٹھایا اور فضاؤں میں اس کی چادریں تان دیں اور پھر بقدر ضرورت اس کو نازل فرماتا ہے کبھی بارش اور کبھی برف بنا کر ذخیرہ فرما دیا جو دریاؤں اور چشموں کے لئے بنک کی حیثیت رکھتا ہے ایک ایک ذرے کو قطرہ قطرہ پانی جس کی جہاں ضرورت ہے پہنچا رہا ہے اسی بے رنگ بے ذائقہ اور بغیر بو کے پانی سے پھلوں میں مٹھاس خوشبو اور رنگ بھر کر تمہارے لئے کھانے کا اہتمام فرماتا ہے اگر وہ چاہتا تو بعض کی طرح تمام پھل کڑوے بنا دیتا یا سب میں زہر بھر دیتا یا کسی میں بھی گودا پیدا نہ فرماتا یا تمہیں اس سے استفادہ کرنے کی قوت نہ دیتا مگر نہیں اپنی مہربانی، اپنے کرم اور اپنے لطف سے یہ سب چیزیں تمہیں عطا کر دیں اور تمہارا رزق بنا دیا۔ سو دیکھو تو تمہاری پیدائش میں ارض و سما کے بنانے میں بارش اور کھیتی کے اگانے میں کیسا یکتا اور تنہا ہے اب یاد رکھو عبادت کا مستحق بھی وہی اکیلا ہے۔ عبادت کرتے وقت اس کے مقابل پیدا نہ کر لو۔ اس کی جگہ کسی اور کو مت پکارو کسی اور دروازے پہ سجدے نہ کرو اس کے سوا کسی کے آگے اپنی حاجات نہ لے جاؤ کہ یہی سب چیزیں عبادت ہیں۔ دراصل اسلام کا یہی انقلابی عقیدہ ہے جو تمام ادیان باطلہ سے ممتاز اور سرفراز کرتا ہے کہ تمام مذاہب خدا اور بندے کے درمیان کوئی ایسا تصور یا ایسی ہستی پیش کرتے ہیں جس تک بندے کی رسائی ہو اور جس کی پوجا یا عبادت وہ کرے آگے وہ شے یا ہستی اللہ تک رسائی رکھتی ہے اور اس کی عبادت کرتی ہے مگر اسلام جس کی طرف تمام انبیاء نے دعوت دی یہ کہتا ہے کہ جب ہر ہر انسان کا خالق براہ راست خدا ہے تو پھر معبود وہی ہے اور ہر انسان اسے براہ راست

اسی کو سجدہ کرے چنانچہ تمام انبیاءؑ کی دعوت یہی ہے لا الٰہ الا اللہ اور واعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین۔ ادب اور احترام اور شے ہے۔ اولیاء اللہ کا نیک بندوں کا ادب بہت ضروری ہے کہ ان کے بغیر نیکی حاصل نہ ہو گی انبیاءؑ کا ادب فرض ہے کہ تارک مسلمان نہیں ہو سکتا مگر نبی اور ولی خدا کی راہ کے بتانے والے اللہ کے مقبول و محبوب بندے ہیں اللہ کی ذات یا صفات میں شریک ہرگز نہیں۔ جس طرح انبیاءؑ کا ادب نہ کرنے والا کافر ہے اسی طرح انبیاءؑ کو اللہ کی صفات میں شریک کرنے والا کافر و مشرک ہے جو اس دور میں عام ہے اور اس کی وجہ دین سے بے خبری، عدم توجہی اور مشرک اقوام کی رسومات کا اپنا لینا ہے کیونکہ کائنات ہستی کی ہر شے اپنی تخلیق میں اس کی محتاج ہے تو اپنی بقا میں بھی اس کی محتاج ہے کہ تخلیق کبھی باقی رہنے کی قوت نہیں رکھتی جس شے کا اپنا وجود ہی نہیں کسی نے بنائی تو بنی وہ اپنے کو باقی رکھنے پر ہرگز قادر نہیں ہو سکتی اس کے لئے بھی اسی کی محتاج ہے جس نے اسے بنایا اب ہر چیز جب خود محتاج ہے تو دوسرے کو کیا دے گی؟ اور جب اسے کچھ نہیں دے سکتی تو اس کے سامنے تذلل اور اظہار عجز کیسا سو یہ تمام مراتب ارشاد فرما کر فرمایا لوگو اللہ کے مقابل کسی کو نہ لاؤ کسی کے سامنے وہ عجز و نیازمندی پیش نہ کرو جو صرف اللہ کو سزاوار ہے۔ خدائی اوصاف میں کسی کو شریک نہ جانو و انتم تعلمون ایک ایسی واضح حقیقت ہے کہ تم خوب جانتے ہو۔ ایک عام آدمی بھی صنعت باری کو دیکھ کر اس کی یکتائی کو جان سکتا ہے۔ یہی دلائل جو انسان پر احسان کرنے کے ضمن میں ارشاد ہوئے ہیں انہی کو توحید باری کی دلیل کے طور پر بھی پیش کیا جا رہا ہے کہ مخلوق کی صنعت اور خالق کی صنعت میں ایک واضح فرق ہے مثلاً ایک ادنیٰ چیونٹی بھی قدرتی طور پر ہی پیدا ہو سکتی ہے کسی مشین میں نہیں بن سکتی جو خود زندہ مادر سوچنے سمجھنے کی قوت رکھنے والی توالد تناسل کے اوصاف سے متصف ہو۔ یا گھاس کا تنکا جو قدرتی خصائص لے کر زمین سے اگتا ہے وہ کبھی مشین سے نہیں بنایا جا سکتا تو جب ساری مخلوق اس کی کاریگری کا نمونہ بھی نہ ہے اس کی طرف وقت محتاج بھی اور کسی طرح اس کی صنعت میں اس کی شریک بھی نہیں تو پھر تم مخلوق میں سے بعض کو اوصاف الوہیت سے کیوں متصف مانتے ہو، یہ کبھی بھی مت کرو۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا یہاں تک تو بات تھی قرآن کی عظمت حقیقی، مومنوں کے اوصاف، کافر اور منافق کی عادات اور اس جرم کی سزا۔ اللہ کے احسانات اور عبادات کا ضروری ہونا اور صرف خدا کے لئے ہونا یہ سب تو درست ہوا اگر ایک سوال پیدا ہوتا کہ کیا قرآن واقعی کلام الٰہی ہے اور اس کے بتائے ہوئے عبادات کے طریقے ہی مقبول ہیں اور باقی سارے مردود۔ یا معاذ اللہ یہ بھی کسی انسانی ذہن کی کاوش ہے اگر ایسا ہے تو پھر اس کی اطاعت کی کیا ضرورت۔ اس کا جواب بھی اسی سابقہ دلیل کو ارشاد فرمایا ہے کیا شان باری ہے کہ وہی دلیل وجوب عبادت وہی دلیل توحید باری اور وہی دلیل حقانیت قرآن کو ثابت فرما رہی ہے جیسے ابھی گزرا کہ وہ اپنی صنعت میں بے مثال ہے کوئی اس کا شریک نہیں انسان ہوائی تو بنا سکتا ہے مگر مچھر کا یہ مچھر کے انڈے ہی میں بنتا ہے انسان کے بس کی بات نہیں اسی طرح وہ اپنی تمام صفات میں بھی لاشریک ہے۔ اور کلام من جملہ اوصاف باری ہے کہ کلام جاری ہے تو یقیناً اس کی مثل پیش کرنا بھی انسان کے بس سے باہر ہے یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ ہے قبل ازیں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے معجزات ان کی حیات دنیوی کے ساتھ تھے جب وہ رخصت ہوئے تو معجزات بھی جاتے رہے مگر قرآن ایک ہمیشہ رہنے والا معجزہ ہے جسے کبھی فنا نہیں نہ کوئی اس میں ردّ و بدل کر سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی مثل لا سکتا ہے نزول قرآن کے وقت عرب میں شعراء و ادبا اور فصحاء اس پایہ

کے تھے کہ دوسری دُنیا کو عجم کہتے تھے یعنی ان کے مقابلے میں گونگے یہ کسی مدرسے کے پڑھے ہوئے نہ تھے بلکہ ان کی فصاحت و بلاغت قدرتی تھی اور یہود و نصاریٰ کے علماء بڑے پڑھے لکھے تھے تو قرآن کریم نے انہیں للکارا کہ کسی طور بھی قرآن کی ایک سُورت کے مقابلہ میں تُم بھی لکھو کر اس جیسا کلام پیش کرو جس میں فصاحت و بلاغت بھی ہو اور ادب بھی، اسرار و نور بھی ہوں، اقوام سابقہ کی درست ترین تاریخ بھی ہو اور اٹل پیش گوئیاں بھی ہوں جو کلام کبھی کسی سے تبدیل نہ ہو سکے اور جس کو بار بار پڑھنے سے ایک نئی لذت اور ایک روحانی ارتقاء نصیب ہوتا ہے جس میں نہ صرف عبادات کا حکم اور طریقہ بیان ہو بلکہ تعزیرات، جرائم اور ان کا سدباب، سیاست، حکومت، تجارت، ملکیت اور حقوق ملکیت غرضیکہ انسانی زندگی کا ایک جامع مکمل نظام ہو جس میں عالم بالا کی حقیقتیں بے نقاب ہوں جو زندگی موت اور بعد الموت کی کیفیات و حالات کو بیان کرے جس میں رُوح اور فرشتے کا درست تذکرہ ہو، لاؤ اس کی مثل سے کر آؤ کسی زمانے میں کسی مُلک میں کبھی لاؤ نہ صرف تُم بلکہ کائنات میں سے جس کو سمجھتے ہو کہ وہ تمہاری مدد کر سکتا ہے اسے بُلا لاؤ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے کہ اگر جن اور انسان سب مل کر بھی اس کی مثل لانا چاہیں تو نہیں لا سکتے لیکن اے لوگو تُم ہرگز ایسا نہیں کر سکتے کہ یہ اللہ کا کلام ہے مخلوق اس کی نذیر پیش نہیں کر سکتی تو پھر اس آگ سے ڈرتے رہو جس کا ایندھن آدمی ہیں اور پتھر اور جو منکروں کے لئے تیار کی گئی ہے جس میں نہ صرف کافر کو جلنا ہوگا بلکہ پتھر کے وہ بُت جنہیں وہ زندگی بھر پُوجتا رہا اس کے سامنے جلتے ہوئے اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے ہوں گے ایک ایسی آگ سے ڈرو جو کسی دوسرے مصرف کے لئے ہرگز نہیں کہ اس کا اصل کام تو کچھ اور ہو اور یوں ہی ضمناً کافروں کو سزا دینے کے لئے استعمال کی جاتی ہے بلکہ وہ تیار ہی کافروں کے لئے کی گئی ہے کہ ایسے لوگ جو متذکرہ بالا حقائق کو جانتے ہوئے بھی جو

قطعاً عام میں ایمان نہ لائیں تو پھر ابدی زندگی میں اُن کے حصّہ میں ہی آگ ہوگی مگر ہاں جو ایمان آئے اُنہیں خوشخبری دے دیجئے وبشر الذین امنو وعملو الصٰلحت وھم فیھا خلدون ○ ایمان نہ لانے والوں کی سزا ہے تو ایمان لانے والوں کے لیئے خوشخبری بھی کہ انہیں انعام ملے گا۔ ان مومنین کو جو عمل صالح بھی رکھتے ہیں کہ ایمان ایک دعویٰ اور اعمال اس کے شاہد اگر عمل دعوے کے خلاف ہو تو کبھی وہ دعویٰ قابل تسلیم نہیں ہو سکتا ایک شخص کی طرف چلنے کا دعویٰ کرے اور عملاً مشرق کی طرف چل دے تو اس کے دعوے کو کون تسلیم کرے گا بالکل یہی حال یہاں ہے کہ دعویٰ ایمان کا اگر ہے عمل بھی صالح پیش کرو اور عمل کی صلاحیت کا معیار سُنّت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلّم ہے۔ کہ سارے حُسن کا خواہ وہ ظاہری ہو یا باطنی، صورت کا ہو یا سیرت کا مُرقع ہے ذاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلّم تو آپ ہی کا ہر قدم حسین ہو گا آپ ہی کا ہر عمل صالح ہو گا جو آپ نے کیا یا کرنے کا حُکم دیا یا آپ کے سامنے کیا گیا تو یہ سُنّت ہیں یا پھر کم از کم تعامل صحابہؓ سے ثابت ہو کہ وہ بھی سُنّت کے امین ہیں جس محبوب کی محبوبیت کو نہ چودہ صدیاں زیر حجاب کر سکیں اور نہ مشرق و مغرب کے فاصلے دُھندلا سکے کہ آج بھی دُنیا کے کسی حصّے میں بسنے والا مسلمان یہی دعویٰ رکھتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلّم میرے محبوب ہیں تو جن لوگوں کو براہ راست دیدارِ جمال نصیب ہوا جنہوں نے آپ کے زیرِ سایہ جہاد کئے، ہجرتیں کیں۔ سجدے ادا کئے اور صُحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم سے فیض یاب ہوئے ان کی محبت کا اندازہ ہم سے ممکن نہیں ہاں یہ ضرور کہہ سکتے کہ کبھی منشاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے خلاف پرکار بند رہ سکتے۔ سو ان کا عمل بھی سُنّت کا امین ہے جس کام کی اصل نہ قرآن نہ حدیث اور نہ تعامل صحابہؓ میں پائی جا سکے وہ کبھی صالح نہ ہو در اصل یہاں ایک غلط فہمی یہ ہو جاتی ہے کہ لوگ بعض چیزیں اپنی طرف سے ایجاد کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو خوش کرنا چاہتے ہیں جو جہالت ہے

اگرچہ ممکن ہے محبت سے کر جاتے ہوں مگر یہاں محبت کا تقاضا یہ نہیں کہ جو تمہیں پسند ہے وہ محبوب کے لئے پسند کرو یہ معیار تو برابر کے لوگوں سے محبت کا ہوا کرتا ہے یہاں معیار یہ ہے کہ جو محبوب کو پسند ہے وہ اپناؤ خواہ وہ تمہیں مشکل بھی لگے سو کامل الایمان وہ ہوں گے جن کا عقیدہ اور عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے تابع ہو ان کے لئے باغ ہیں ایسے باکمال کہ جن کے تحت نہریں ہیں ترجمہ میں دیا ہے کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس مطلب یہ بھی ہے کہ یہاں باغات نہروں کے تابع ہیں اور محتاج کہ جہاں نہر بہتی ہے وہاں باغ لگ سکتا ہے ورنہ نہیں اگر نہر خشک ہو گئی تو باغ اجڑ گیا مگر وہاں نہریں باغوں کے تابع رہیں جہاں باغ ہے وہاں نہر کو ضرور پہنچنا ہے اور جب تک باغ ہیں اسے ہر حال میں بہنا ہے حدیث شریف میں آتا ہے کہ جنتیوں کے صحنوں میں چشمے بہتے ہوں گے اگر وہ انہیں دوسری طرف بہانا چاہیں گے تو انگلی سے اشارہ کریں گے کہ یہاں سے اس طرف سے چلو تو پانی ادھر کو چل دے گا اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہاں کے پانی اس طرح چلیں گے جدھر کو ان کی ضرورت ہوگی اور اس وقت تک جاری رہیں گے جب تک ان ضرورت ہوگی سو ان باغوں کے خراب ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں وہاں دائمی حسن اور ابدی آبادی ہوگی۔ ان میں ایسے پھل لگیں گے کہ جنتی دیکھ کر پہچان سکیں گے کہ یہ تو ہم پہلے یعنی دنیا میں بھی کھاتے تھے لیکن صرف مشابہت ہوگی لذت ان کی جداگانہ ہوگی جس طرح دنیا اور جنت میں فاصلے ہیں اسی طرح ان پھلوں اور وہاں کے پھلوں کی لذت میں بھی بہت فرق ہوگا نیز ان کے لئے پاک بیبیاں ہوں گی اور وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ زوج کا لفظ عربی میں مرد کے لئے عورت اور عورت کے لئے مرد پہ بولا جاتا ہے تو جنتی عورتوں کو ایسے شوہر نصیب ہوں گے جو نہایت پاکیزہ ہوں گے اور جنتی مردوں کو پاکیزہ عورتیں۔ جو مرد عورت دونوں جنتی ہوں گے وہ اکٹھے رہیں گے اگر ایک کفر پہ مرا اور دوسرا ایمان پہ تو پھر ان کی ملاقات ناممکن اس کی تلافی اس طرح ہوگی کہ جنتی جنتی آپس میں ملا دیئے جائیں گے نیز وہاں مرد و عورت پاکیزہ ہوں گے نہ ان میں اخلاقی آلودگی کا نام ہوگا نہ عملی کا نشان حتیٰ کہ مرد و عورت کے درمیان میاں بیوی کے تعلقات بھی لذت آگیں تو ہوں گے مگر ان میں نجاست نہ ہوگی نہ پلیدی کا سبب بن سکیں گے کہ ہر کام صاف ستھرا ہوگا غذا لذیذ ہوگی مگر فضلہ نہ ہوگا باتیں مزیدار ہوں گی مگر جھگڑا نہ ہوگا عمر اور حسن پائیدار ہوں گے جو کبھی ضائع نہ ہوں گے یعنی انسان کی فطری خواہشات کہ دولت ہو صحت ہو بہت اچھا ٹھکانہ ہو، اچھی بیوی ہو اور یہ حال ہمیشہ رہے یہ صرف مومنین کو آخرت میں نصیب ہوگا ایسی خواہشات کی تکمیل دنیا میں محال ہے کہ یہ خود نہ ابھری ہے اور نہ ہر طرح سے راحت دینے والی ہے۔ سو عبادات و طاعات ہی میں یہاں بھی عافیت ہے کہ یہ دنیا بھی آخرت کا ظل ہے جس کے لئے وہاں راحت ہے۔ وہ یہاں بھی مطمئن اور جس کے لئے وہاں کلفت ہے وہ یہاں بھی آتش بداماں ہے۔

گذشتہ سے پیوستہ

کونوا عباد اللہ

(۳)

۳:۔ رزق حلال کی کوشش کرنا اور حرام سے بچنا

نماز کی ایک خاصیت اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہے کہ

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ ــــ یعنی نماز یقیناً بے حیائی اور کاموں سے روکتی ہے

انسان جو کام بھی کرتا ہے اچھا یا برا اس کے کرنے میں بدنی قوت اور اعضاء و جوارح کو استعمال کرنا ہے اور بدن میں قوت غذا سے آتی ہے اور وہی قوت اعضاء کو حرکت دیتی ہے معلوم ہوا کہ قوت کا اصل منبع یہ غذا ہے جو ہم کھاتے ہیں

ڈاکٹر اور طبیب بتاتے ہیں کہ غذا میں جو چیزیں ہم استعمال کرتے ہیں ان میں سے ہر چیز میں اپنی ایک مستقل اور جدا خاصیت ہوتی ہے۔ مثلاً بعض غذاؤں میں پروٹین ہوتی ہیں بعض میں نشاستہ بعض میں کیلسم وغیرہ اسی طرح طبیب کہتے ہیں بعض چیزیں گرم ہوتی ہیں بعض سرد بعض خشک اور بعض تر اس لئے جیسی غذا کھاؤ گے اس کے مطابق تمہاری جسمانی طاقت اور جسمانی نظام میں اثر مرتب ہوگا یہ ممکن نہیں کہ آدمی شہد کھائے اور اس میں حرارت پیدا نہ ہو سنکھیا کھائے تو اس میں یبوست نہ پیدا ہو غرض غذا کا اثر بدن اور اعضائے بدن سے ضرور ظاہر ہو کے رہتا ہے۔ غذا کا یہ پہلو جو عادی جسم میں گرمی سردی خشکی تری قوت ضعف کے سلسلے اثر انداز ہوتا ہے وہ غذا کی مادی خصوصیات سے تعلق رکھتا ہے

مگر انسان صرف جسم کا نام نہیں بلکہ اصل انسان روح ہے جسم اس کا آلہ کار ہے اس لئے غذا کے مادی پہلو کے ساتھ ساتھ اس کے روحانی پہلو پر نگاہ رکھنا بھی ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں غذا کے اس پہلو پر بہت زور دیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

(۱) یا ایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالاً طیباً ولا تتبعوا خطوات الشیطان۔

"اے بنی نوع انسان زمین پر جو کچھ حلال اور پاکیزہ موجود ہے اس میں سے کھاؤ پیو اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلنا"

غذا کے روحانی پہلو کے دو اوصاف یا خاصیتیں بیان فرمائی ہیں ایک حلال دوسرا طیب یعنی چیز بجائے خود شرعاً حلال ہو اور حلال طریقے سے حاصل کی ہو مشروع طریقے سے تیار کی گئی ہو وہ طیب بن جائے گی اس کا اثر انسان کی روحانی زندگی پر یہ پڑے گا کہ ایسی غذا سے حاصل شدہ قوت شیطان کی پیروی میں صرف نہ ہونے پائے گی اس کا مخالف پہلو یہ ہوا جو غذا حلال اور طیب نہ ہوگی وہ انسان کے اندر شیطان کی پیروی کرنے کی تحریک پیدا کرے گی حلال اور طیب غذا کے اثرات ایک موقع پر حضور اکرم نے بیان فرمایا حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاص نے حضور سے عرض کیا کہ آپ دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ مجھے مستجاب الدعوات بنا دے تو حضور اکرم

نے فرمایا لقمہ حلال کا التزام کرلو خود بخود مستجاب الدعوات بن جاؤ گے

رزق حلال کا یہ اثر کوئی معمولی بات نہیں اسکی تفصیل میں جائیں تو کئی نکات ملتے ہیں اوّل یہ کہ رزق حلال سے جو قوت حاصل ہوتی ہے وہ لازماً اللہ کی طاعت میں صرف ہوتی ہے دوم طاعت الٰہی سے انسان کا تعلق اپنے رب سے پیدا ہی نہیں ہوتا بلکہ غایت درجے استوار ہو جاتا ہے

سوم یہ کہ بندے کا اپنے رب پر اتنا اعتماد ہو جاتا ہے کہ اپنی ہر ضرورت کے وقت اسی کے سامنے دست سوال دراز آتا ہے

چہارم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اس بندے کے ساتھ اس قدر بندہ نوازی سے پیش آتا ہے کہ اسکی کوئی درخواست رد نہیں کرتا

پنجم یہ کہ اس غذا سے بندے میں تمیز کی حس اتنی بیدار ہو جاتی ہے کہ کسی غلط یا نامناسب بات کے لیے ہاتھ اٹھتے ہی نہ پائے

۲ ارشاد باری ہے۔ یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات واعملوا صالحا

یعنی اے گروہ انبیاء پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور صالح کام کرو

آیت میں گرچہ مخاطب انبیاء کرام ہیں مگر مراد ان کی امتیں ہیں

پھر اس انداز خطاب میں ایک اور نکتہ ملتا ہے کہ حلال و طیب غذا وہ بنیادی تقاضا ہے جو انبیائے کرام کو بھی پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تا بدیگراں چہ رسد۔

پھر اس میں غذا اور عمل کو باہم جوڑ دیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ طیب غذا ہی سے اعمال صالحہ کا ظہور ہوگا

مختصر یہ کہ اللہ کا بندہ بننے کے لیے اللہ کے ساتھ طاعت کا تعلق استوار کرنا ضروری ہے اور طاعت کے لئے محنت درکار ہے محنت طاقت اور قوت کو چاہتی ہے اور قوت پیدا ہوتی ہے غذا سے اور غذا کا حقیقی اور روحانی پہلو ہی انسان کی روحانی زندگی پر اثر انداز ہوتا ہے حلال اور طیب غذا ہوگی تو اعمال صالحہ کی تحریک اندر سے اٹھے گی حرام اور ناپاک غذا ہوگی تو شیطان کی پیروی کے لئے دل بیقرار ہونے لگے گا

آیت بالا میں نماز کی خاصیت یہ بتائی گئی ہے کہ بے حیائی اور نامناسب کاموں سے روکتی ہے تو ظاہر ہے کہ صرف رک جانا ہی مقصد نہیں کیونکہ جمود کا نام زندگی نہیں بلکہ حرکت درکار ہے تو معلوم ہوا کہ نماز جب غلط سمت میں قدم اٹھنے سے روکتی ہے تو حلال و طیب غذا ان قدموں کا رخ صحیح سمت میں موڑ کر قرب الٰہی کی طرف بڑھنے کے لیے تحریک پیدا کرتی ہے

حضور اکرمؐ نے حرام مال سے بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے حضور کا انداز تربیت فطرت کے عین مطابق ہے کہ پہلے حرام سے بچنے کی تاکید فرمائی ظاہر ہے کہ جب تک حرام سے پرہیز نہیں کرے گا حلال کی طرف رخ کیونکر کرے گا مثال کے طور پر دیکھئے کہ ایک آدمی گندی سڑی غذا کھا کے پیٹ بھر چکا ہے تو وہ مفید اور لذیذ غذا کا ایک لقمہ لینے کو بھی تیار نہ ہوگی کیونکہ اسکی اشتہا ختم ہو چکی ہے ہاں جب اشتہا رہوگی اور گندی غذا سے بچنے کا اہتمام بھی ہوگا تو لازماً حلال اور پاکیزہ غذا کے حصول کی تدبیر بھی سوجھے گا اور کوشش بھی کرے گا اسی بنا پر معلوم ہوتا ہے حضور اکرمؐ نے حرام سے بچنے کی بہت تاکید فرمائی ہے مثلاً فرمایا

قال النبیؐ من لم یبال من این اکتسب لم یبال اللہ تعالیٰ من این ادخلہ النار۔ یعنی جسے اس بات کی پرواہ نہیں کہ مال کیونکر حاصل ہو رہا ہے (خواہ حلال سے خواہ حرام سے) تو اللہ کو بھی اس کی پروا نہیں کہ اسے جہنم کے کس درجے میں داخل کرے۔

۲۔ حضورؐ نے فرمایا جو جسم حرام غذا سے نشوونما پا چکا ہو اس کے لیے مناسب ٹھکانہ جہنم ہی ہے

۳۔ حضورؐ نے فرمایا جس شخص نے دس درہم میں ایک کپڑا خریدا اور اس قیمت میں ایک درہم حرام کا تھا جب

تک وہ کیڑا اس کے جسم پر رہے گا اللہ تعالیٰ اس کی کوئی عبادت قبول نہیں کرے گا

۴۔ اس سلسلے میں حضورؐ کی احتیاط کا یہ عالم ہے کہ قطعی حرام تو بجائے خود رہا مشتبہ مال سے بھی بچنے کی تاکید فرمائی

صحابہ کرام اور صلحائے امت نے اس سلسلے میں جو نقوش چھوڑے ہیں ان کے چند نمونے حاضر ہیں

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ اگر تو اتنی نماز پڑھے کہ پیٹھ دوہری ہو جائے اور اتنے روزے رکھے کہ بال کی مانند لاغر اور پتلا ہو جائے تو اس کا کچھ فائدہ نہیں ہوگا جب تک حرام سے پرہیز نہ کرے

۲۔ حضرت سفیان ثوریؒ کے زمانے میں جو شخص حرام مال سے صدقہ کرے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو پلید کپڑے کو پیشاب سے دھونے لگے

۳۔ حضرت یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں اللہ کی طاعت دراصل اللہ کا خزانہ ہے اس کی کنجی دعا ہے اور اس کنجی کے دندانے لقمہ حلال ہیں

۴۔ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں مشتبہ مال کا ایک درہم واپس کر دینا ہزار درہم صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

۵۔ حضرت سہیل تستریؒ فرماتے ہیں جو شخص حرام کھاتا ہے اس کے تمام اعضا بدکاری کی طرف رخ کرتے ہیں ارادی طور پر بھی اور غیر ارادی طور پر بھی اور جو شخص حلال کھاتا ہے اس کے تمام اعضا نیکی کا رخ کرتے ہیں اور اسے اچھے کاموں کی توفیق ہوتی ہے۔

۶۔ حضرت ابو سلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں کہ میری حالت یہ ہے کہ اگر شبہ کی چیز کھا لیتا ہوں تو ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک دل میں ایک آگ سی محسوس ہوتی رہتی ہے۔

۷۔ حضرت سری سقطیؒ فرماتے ہیں اس فقیر کا دل کیونکر روشن ہو سکتا ہے جو ان لوگوں کے مال میں سے کھاتا ہے جو رشوت خور، بددیانت اور ظالم ہیں اور ان سے معاملہ رکھنے والے ہیں

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ مومن کو حرام سے بچنا کس قدر ضروری ہے حرام کی مروج صورتیں اتنی ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتیں مگر چند مشہور اور عام متداول صورتوں کی پہچان لازمی ہے تاکہ آدمی ان سے بچنے کی فکر کرے وہ ہیں رشوت، غبن، دھوکا اور سود یہ حرام کی وہ صورتیں ہیں جس میں بڑے بڑے شرفا مبتلا ہیں اور لطف یہ کہ ان کے حرام ہونے کا احساس بھی نہیں بلکہ بڑی معصومیت اور فخر کے ساتھ ایسی کمائی پر ھذا من فضل ربی کا کتبہ بھی لگا دیتے ہیں

اس کے علاوہ عوامی صورتیں چوری، ڈاکہ، آمیزش کم تولنا، کم ناپنا، ذخیرہ اندوزی، مصنوعی مہنگائی پیدا کرنا وغیرہ عام پھیلی ہوئی ہیں اخبارات کا مطالعہ کرنے سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے امیر ملک میں نیچے سے اوپر تک صرف حرام پیشہ لوگ ہی بستے ہیں حرام کی نوعیت خواہ مختلف ہو لیکن ہر جرم پس منظر حرام کی لت اور حرام مال کی فراوانی ہی نظر آئے گی

حلال ذرائع سے اور حلال طریقے سے مال حاصل کرنا حرام سے بچنے کا ایک پہلو ہے دوسرا پہلو اس کو طیب اور پاکیزہ بنانا ہے اور یہ بھی کوئی کم ضروری نہیں کیونکہ مال کمایا حلال طریقے سے مگر اس کی تیاری میں پاکیزگی کا خیال نہ رکھا گیا تو اسکی نحوست قلب کو متاثر کئے بغیر نہ رہے گی اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ اپنے گھروں میں دین کا چرچا کریں اہل و عیال کو دین سکھائیں تاکہ خواتین پاک صاف ہو کر بلکہ نماز کی پابندی کے باوضو اگر آپکی غذا تیار کریں گی تو آپ کے قلب میں خاص قسم کی نورانیت پیدا ہوگی اور تدبیر آپکو عمل صالحہ پر آمادہ کرنے میں سونے پر سہاگہ کا کام دے گی

حافظ عبدالرزاق صاحب، ایم۔ اے

گفتگو

۱۔ **سوال**۔ ظہر، مغرب اور عشاء کے نوافل کا بہشتی زیور میں کوئی ذکر نہیں اور ویسے بھی یہ ضروری نہیں کہ ہمارے ملک میں تقریباً سب ہی لوگ انہیں بڑے اہتمام سے پڑھتے ہیں، ان کی ابتدا کیا ہے اگر کسی بچے کو یا نئی نسل کو صرف فرض اور سنت کی ترغیب دی جائے تو ہوسکتا ہے وہ آسانی سے نماز کی جانب مائل ہوں۔

جواب۔ نفل کے معنی ہیں زائد، اور ظاہر ہے کہ زائد وہی ہوتا ہے جو ضروری نہ ہو تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر اس سے غرض کیا ہے؟ تجربہ اور مشاہدہ سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ زائد کا مقصد یا تو اصل کی تکمیل یا استحکام یا آرائش ہوتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہر معاملے میں انسان ضروری پر مطمئن ہوجاتا ہے یا تکمیل و تزئین و استحکام کے لئے اہتمام کرنے کا طبیعت تقاضا کرتی ہے مثال کے طور پر لباس کو لیجئے تین یا دو سادہ کپڑوں سے ضرورت پوری ہوسکتی ہے۔ مگر کیا انسان اس پر اکتفا کرتا ہے مشاہدہ اس کے برعکس یہ ہے کہ اوّل تو لباس بناوٹ اور تراش خراش میں "نوافل" کا اہتمام کیا جاتا ہے خوب اکڑے ہوئے کالر ہوں سامنے دو جیب ہوں ان پر فلیپ ہوں زیب ہوں، بٹن ہوں کاج ہوں گریبان کے آس پاس کشیدہ کاری ہو، کف لنک ہوں۔ آستین کے سرے پر تین تین بٹن ہوں۔

پھر کپڑوں کی تعداد دیکھئے۔ سردیوں میں بنیان اور سویٹر تو خیر ضروری ٹھہرے مگر گرمیوں میں اچکن لٹکا رکھی ہے۔ گلے تک بٹن بند ہیں۔ یا سوٹ زیب تن کر رکھا ہے۔ اس کی آخر کیا ضرورت ہے؟ غرض لباس میں جتنے فیشن نظر آتے ہیں ان میں کتنا حصہ ضروری اور کس قدر زائد ہے اور جو زائد ہے وہ کیوں اور اس کا اہتمام کیوں ہے۔

مکان کو لیجئے، سر چھپانے کے لئے انسان کی بنیادی ضرورت ہے، یہ ضرورت یوں پوری ہوسکتی ہے کہ دیواریں اٹھائیں چھت ڈالی، دروازے کھڑکیاں لگائیں، ضرورت پوری ہوگئی۔ مگر یہ ٹیپ، پلستر، ڈسٹمپر، چپس پچربی حصے پر رنگ و روغن یہ پردے سامان آرائش چھت دیکھو تو لنٹل اس پر پولیتھن پھر تارکول پھر مٹی پھر فرش یہ سب کچھ ضرورت سے زائد ہے مگر انسان ان "نوافل" کا کتنا حریص ہے

خوراک کو لیجئے ڈو روٹیاں اور ایک چمچہ سالن پیٹ بھرنے کے لئے کافی ہے مگر یہ متنجن، بریانی، شامی کباب

چٹنی، سلاد، فروٹ، سویٹ، ڈش، یہ سب "نوافل" ہی تو ہیں مگر کتنے دل کش اور کیسے مرغوب

ان تین بنیادی ضرورتوں کے علاوہ جسمانی صفائی اور نظامت بھی انسان کا فطری تقاضا ہے۔ آدمی غسل کر کے یا منہ ہاتھ دھو لے تو صفائی کی ضرورت پوری ہو گئی مگر یہ میک اپ، ہیئر پاؤڈر، اس پر سرخی، یہ لپ سٹک یہ نیل پالش اور نہ جانے کیا کیا، ہمیں تو جن کے نام بھی آتے یہ سب کچھ کیا "نوافل" سے گہری دل چسپی نہیں

ایک مزدور دن بھر کام کرتا ہے۔ ایک ٹیچر ملازمت کرتا ہے ایک مزدور کی اُجرت اور ملازم کی تنخواہ عموماً اس کی بنیادی ضروریات پورا کرنے کے لئے کافی ہوتی ہیں مگر مزدور جب تک اور ٹائم نہ لگائے جی نہیں بھرتا۔ ٹیچر جب تک ٹیوشن نہ پڑھائے طبیعت سیر نہیں ہوتی۔ بلکہ اصل کام کی نسبت اوور ٹائم اور ٹیوشن پر زیادہ توجہ ہوتی ہے کہ دُگنا معاوضہ ہے۔ لہٰذا ان "نوافل" پر انسان کی زیادہ توجہ ہوتی ہے

ان باتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ وہ ضروری پر مطمئن نہیں تو خالق انسان بھلا بندے اور رب کے درمیان تعلقات کے پہلو کو اس سے مستثنیٰ کیوں کرتا، اگر ایسا ہوتا تو یہ دین فطرت نہ ہوتا لہٰذا شریعت نے نوافل تجویز کر دیئے تاکہ انسان کا یہ فطری داعیہ بھی پورا ہو اور اس کی عبادت کی تکمیل تزئین اور استحکام کی صورت بھی بن جائے

بندے اور خالق کے درمیان جو تعلق ہے اس کی نوعیت بتاتے ہوئے ارشاد ہوا والذین آمنوا اشد حباً للہ، یعنی میرے بندے کی علامت یہ ہے اور اس کی خاصیت یہ ہے کہ اسے سب سے بڑھ کر مجھ سے محبت ہوتی ہے انسان کے اس فطری وصف کو سامنے رکھیں پھر دیکھیں کہ اگر اس کا ضمیر مر نہیں گیا تو آپ خواہ اسے صرف فرض نماز دعوت دیں اس کی طبیعت کو سنت اور نفل کے بغیر قرار نہیں آئے گا۔ جو انسان نماز کو دل سے نفس نماز ہی کو بوجھ سمجھے آپ اسے سنت چھوڑ صرف فرض کی دعوت دیں وہ بخوشی مائل نہ ہو گا۔ لہٰذا نئی نسل کو نماز کی حیثیت سے آگاہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسے یقین ہو جائے اور محسوس کرنے لگے کہ اذان نہیں ہوئی بلکہ مجھے اپنے محبوب کے گھر سے دعوت نامہ آیا ہے مجھے اپنی ملاقات کا شرف حاصل کرنے کا موقع دیا گیا ہے۔ میں کیوں نہ سر کے بل جاؤں، راز کی باتیں کروں، دل کے دُکھڑے بیان کروں، اپنی آرزوئیں اور تمنائیں محبوب کے سامنے پیش کروں، یہ احساس ہو جائے تو فرض نماز سے فارغ ہونے کے بعد لازماً اس کی چاہے گا کہ سب دُنیا سے چھپ کر رات کی تاریکی اور تنہائی میں اپنے محبوب سے ملاقاتیں کروں پھر وہ پچھلی رات اُٹھے گا، اوور ٹائم لگائے گا، اور کسی کے روکے نہیں رکے گا، اس لئے مجھے تو یوں لگتا ہے کہ یہ نوافل بوجھ نہیں بلکہ رب العالمین کی بندہ نوازی ہے اور انسانی فطری داعیہ کی تسکین کا سامان ہے بشرطیکہ اندر کا انسان زندہ ہو۔

۲۔ سوال: نفل روزوں اور نمازوں کا اہتمام کس طرح کیا جا سکتا ہے، جہاں تک اپنے گھر میں نفل نمازیں مثلاً تہجد وغیرہ پڑھنے کا تعلق ہے اس میں کوئی چیز مانع نہیں لیکن اگر مہمان آجائیں یا خود کہیں جائے مثلاً تعطیلات وغیرہ میں تو نفل نمازیں کس طرح ادا کی جائیں اس صورت میں نمود و ریا کا پہلو تو مفقود نکلتا ہے، اگر نہ پڑھے تو طبیعت نہیں

نفل روزے کا مسئلہ اور بھی پیچیدہ ہے۔ مجبوراً بتایئے تو وہی نمود و ریا اور عجب کا پہلو نمود و عجب کی نیت اگر نہ بھی ہو تب وقت آنے پر یہ خیالات پیدا ہو ہی جائیں گے۔ یہ بڑی الجھن محسوس ہوتی ہے

جواب: ریا یہ ہے کہ مخلوق میں اپنا مقام بنانے، وقار حاصل کرنے، واہ واہ کی خاطر کوئی کام کیا جائے یا کسی کام سے باز نہ رہا جائے ظاہر ہے پہلے دل میں ارادہ یا نیت پیدا ہوتی ہے پھر کام کا آغاز ہوتا وہ ارادہ یا نیت ہی دراصل اس کام کے کرنے یا چھوڑنے کی محرک ہوتی ہے، اگر ریا کی نیت سے کام شروع کیا ہے تو وہ از اول تا آخر ریا ہے، اور اخلاص یہ ہے کہ کوئی کام محض اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیا جائے یا کسی کام کو ترک کیا جائے یہاں بھی ارادہ یا نیت کام کی ابتداء سے پہلے ہوگی۔

رہی یہ صورت کہ اگر کسی شخص نے محض اللہ کی رضا کی نیت سے کام شروع کیا، اس دوران اگر کسی نے اسے وہ اچھا کام کرتے دیکھا اور کام کرنے والے کو علم ہو گیا کہ کسی نے دیکھا ہے اس وجہ سے اس کے دل میں خوشی کی ایک لہر آگئی تو یہ انسان کی طبعی حالت ہے۔ غیر اختیاری ہے لہٰذا اخلاص کے منافی بھی نہیں اور ریا بھی نہیں اور غیر اختیاری پر مؤاخذہ بھی نہیں۔

اصول یہ ہے کہ ایک ہے خیالات کا آنا یہ غیر اختیاری ہے، ایک ہے خیالات کا بہ تکلف لانا یا غیر اختیاری طور پر کوئی خیال آجائے تو اختیاری طور پر اس پر جم جانا یہ انسان کے اختیار کی چیز ہے، غیر اختیاری پر مؤاخذہ نہیں اور اختیاری امور پر گرفت ہے۔ سمندر میں کشتی چل رہی ہے ہو تو ملاح کے بس کی یہ بات نہیں کہ سمندر میں موجوں کے اٹھنے کا عمل روک دے ہاں یہ اس کے

اس کے بس کی بات ہے کہ موجوں کے نظارے میں کھو جانے کے بجائے منزل کی طرف بڑھتا چلا جائے

ملفوظات شیخ مکرم مدظلہ العالی

باتیں اُن کی خوشبو خوشبو

● ——— جب تدوینِ علوم کا زمانہ آیا تو فقہاء نے فقہ اور اصُولیوں نے اصول میں اور مفسّرین نے تفسیریں لکھیں، اپنے اپنے دی ہیں، تو صوفیاء نے بھی اپنے فن میں کتابیں لکھیں جن میں صوفیاء نے اپنی خاص اصطلاحات بیان فرمائیں جو ذوق اور وجدان اور انکشاف سے تعلق رکھتی ہیں جنہیں اوضاعِ لُغویہ سے تعلق نہیں ہے۔ اور نہ ہی اوضاعِ لُغویہ صوفیاء کے دلی معانی کے اظہار سے کافی ہیں:

ہر آں معنی کہ شُد از ذوق پیدا
کُجا تعبیر لفظی یابد او را

اسی وجہ سے صوفیاء اصطلاحات، علماءِ ظواہر کے اصطلاحات سے متفاوت ہیں اور ظاہر ہے کہ ہر صاحبِ فن اپنے فن کو جانتا ہے اور دوسرے فن والا اس کو نہیں جانتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علما نے اُن پر انکار کیا اور ان کا یہ انکار فن کی لاعلمی پر مبنی ہے اور بعض نے اقرار کر کے ان کے مسائل میں دخل دیا بلکہ سپردِ قلم بھی کیا۔ مگر یہ اور پیچ در پیچ میں پڑ گئے۔ حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ نے تفسیر مظہری میں فرمایا لان تلك العلوم والمعارف لا یمکن تعلیمها ولا تعلمها بلسان المقال بل انما قد رك بالانعكاس ولسان الحال اور فرمایا کہ کتب تصوف کی تصنیف سے تو محض تنبیہہ مقصود ہے۔ ———

قال قلت لیس الغرض من تلك الکتب اکتساب تلك العلوم ولا یحصل بمطالعة تلك الکتب شیئ من القرب والولایة بل الغرض منها تنبیه العارفین المحصلین تلك العلوم بالجذب والسلوك علی بعض تفاصیلها

کشف ایک کیفی چیز ہے جس کو خدا تعالیٰ عنایت فرمائے (وہی اسے سمجھ سکتا ہے)۔ حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ فی مدالمذهب الماتو. بالسعی المشکور ص نمبر ۲۲۱ پر فرماتے ہیں اس قسم کے مسائل کے علم سے علماءِ ظواہر مراحل دُور ہیں۔

● ——— قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم واُسئلك حبك وحب من یحبك ——— (شرح) وقد ورد فی السنة، ذکر الاسباب التی یتسبب بها العباد الی محبة اللہ سبحانہ ومثاله حب من یحبه فانه لا یحب اللہ عزّ وجل الا المخلص من عباده فحبهم طاعة من الطاعات وقربة من القربات

——— تحفة الذاکرین ص ۳۳۱)

اور اولیاء اللہ کی ہم نشینی (کی برکات) تو ظاہر ہیں

لا یشقی جلیسهم ؎

اُحب الصالحین ولست منهم
لعل اللہ یرزقنی صلاحا

انبیاء و اولیاء کی اتباع ذریعہ نجات، ان کا ذکر (مبارک) ان

کے کمالات کا بیان کارِ خیر ہے اور نیک عمل میں داخل ہے ۔ خدا تعالیٰ ان کے اتباع اور ذکر و کمالات بیان کرنے کی توفیق عطا فرمائے ۔

● ——— تصوّف اور سلوک نام ہے تعمیر الظاہر والباطن کا، جس طرح ظاہری علوم (کما حقہٗ) بغیر صحبت اُستاد محال ہیں اسی طرح باطنی علوم بھی بغیر شیخ کے محال ہیں منازل سلوک ورا ء الوراء کا معاملہ ہے بغیر استاد کے کس طرح حاصل ہو سکتے ہیں منازل سلوک ۔ مراقبہ احادیث سے لے کر فنا فی اللہ اور فنا در فنا تک جنہیں مراقبہ فی الرسولؐ بھی ہے یہ بنیادی منازل ہیں ان پر آگے سلوک کے منازل کی سطح استوار ہوتی ہے

● ——— علم منازل سلوک اور چیز ہے ۔ حصول منازل اور چیز ہے ۔ کتب تصوّف کے مطالعہ سے علم تصوّف کا حصول محال ہے یہ تو القائی اور انعکاسی چیز ہے جو صحبت شیخ اور صدر شیخ سے حاصل کی جاتی ہے ۔

● ——— علوم ظاہریہ کی تعلیم، فہم تفہیم، فائدہ استفادہ الفاظ پر موقوف ہے اور علوم و معارف باطنیہ کا حصول، صحبت و القاء و انعکاس پر موقوف ہے ——— علوم ظاہریہ کا عالم الفاظ کا محتاج ہے اور علوم باطنیہ کے عالم کو اس کی احتیاج نہیں ——— ان علوم کے حصول کے حصول کے لئے ربط قلبی شیخ سے اور شیخ کا ربط القلب بالرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تصوّف کا ایک اہم اور بنیادی مسئلہ ہے مادّی آلات سے اور اعضاء و جوارح سے علم سلوک حاصل نہیں کیا جاتا ۔

لباسِ فہم بر بالائے او تنگ
سمندِ وہم در صحرائے او لنگ

چراغِ مصطفویؐ

ابو سعید

عن ابن عمر قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان ھذا القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا اصابہ الماء قیل یا رسول اللہ ما جلاءھا قال کثیرہ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن

(رواہ البیہقی)

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریمؐ نے فرمایا بنی آدم کے دلوں پر اسی طرح زنگ چڑھ جاتا ہے جس طرح پانی لگ جانے سے لوہے پر زنگ آجاتا ہے عرض کیا گیا حضور! دلوں کے اس زنگ کو دور کرنے کا ذریعہ کیا ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ موت کو زیادہ یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت۔

پاک صاف چیز کا میلا ہو جانا روزمرہ کا مشاہدہ ہے آدمی محتاط اور ہوشیار ہو تو وہ اس امر کا اہتمام کرتا ہے کہ میل آجانے کے بعد جلد اس میل کو دور کرنے کی کوشش کی جائے اور اگر سست اور لاپرواہ ہو تو میل کی تہیں جمنا شروع ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ اس میل کو دور کرنا اچھا خاصا مشکل ہو جاتا ہے۔

اسی طرح انسان کا باطن اور اس کا دل بھی میلا ہو جاتا ہے دل کا میل اللہ سے غافل ہونا اور آخرت کے انجام سے بے فکر ہونا ہے اللہ سے غفلت انسان کے اندر گناہ کی طرف میلان بڑھتا ہے اور جب یہ میلان بڑھتا ہے تو گناہ میں کشش محسوس ہونے لگتی ہے اور انجام سے بے فکری ہو تو گناہ کی زندگی میں لذت محسوس ہوتی ہے اور اس میں شغف پیدا ہو جاتا ہے اب دل کی حالت کچھ ایسی ہو جاتی ہے جیسے اس پر زنگ کی تہیں جم گئی ہیں لوہے کو زنگ لگنے کے لیے دو چیزیں اثر انداز ہوتی ہیں پانی اور ہوا اسی طرح دل کو زنگ آلودہ کرنے کیلئے بھی دو ہی چیزیں ہوتی ہیں۔

لوہے کا زنگ دور کرنے کے لیے اسے ریتی سے رگڑا جاتا ہے یا بھٹی میں ڈال کر تپایا جاتا ہے معمولی شستشو سے زنگ دور نہیں ہوتا۔

اس حدیث میں حضور اکرمؐ نے اس غیر مرئی حقیقت کی نشاندہی فرمائی کہ قلب جو سینے میں ہے وہ بھی زنگ آلود ہو جاتا ہے مگر اس کی تعلیم دینے میں وہ فطری طریقہ اختیار فرمایا جو ماہرین تعلیم کے ہاں برسوں کے تجربات کے بعد مسلمات میں شمار ہونے لگا کہ تعلیم کا اصول یہ ہے کہ معلوم سے نامعلوم کی طرف چلو۔ حضور اکرمؐ نے قریبی ماحول سے لوہے کے زنگ آلود ہونے کی مثال دی جو معلوم عوام ہے پھر نامعلوم کی طرف رہنمائی فرماتے ہیں

دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضور اکرمؐ نے صحابہ کی تربیت اس انداز سے فرمائی کہ ان کے اندر حقائق زندگی معلوم کرنے کی تڑپ اور کرید کا وصف پیدا ہو گیا دیکھئے حضورؐ نے ایک حقیقت کی طرف ارشاد

فرمایا اور صحابہ نے جھٹ اِس بیماری کا علاج پوچھا جس کی نشان حضورؐ فرمائی۔

اِس نسخے کے دو اجزا ہیں اوّل کثرت سے موت کی یاد ظاہر ہے کہ موت کو یاد کرنے سے لازماً یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا؟ زندگی بعد موت کی طوالت کتنی ہوگی؟ کیا اِس زندگی کے لیئے آرام و راحت کا کوئی سامان مہیا کرنے کی ضرورت ہے نہیں؟ جب اِس چند روزہ زندگی کی راحت کے لیئے ہر تدبیر کر لی جاتی ہے تو اس نہ ختم ہونے والی زندگی کے آرام کی فکر کیوں نہ کی جائے؟ وہاں کی زندگی کی راحت کی تدبیر کیا ہے؟ اِس تدبیر کو کیوں کر اختیار کیا جا سکتا ہے؟ اِس قسم کے سوال ایسے ہیں کہ آدمی خواہ کیسا ہی نکما ہو موت کی یاد اسے عملی تدابیر اختیار کرنے پر مجبور کرے گی

دوم تلاوت قرآن ہے۔ قرآن کتاب ہدایت ہے بنیادی طور پر یہ تعلیم دیتا ہے کہ اِس دنیا میں اِس طرح کی زندگی بسر کرو کہ یہاں کا ہر عمل زادِ آخرت بن جائے حضرت شاہ ولی اللہ نے تلاوت قرآن کے آداب کے سلسلے میں فرمایا تلاوت قرآن کی روح یہ ہے کہ شوق محبت اور انتہائی تعظیم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر قرآن پاک کی تلاوت کرے اور اِس کے مواعظ اور نصائح میں غور و تدبر سے اثر لینے کی کوشش کرے اور اسکے احکام و ہدایات کی تعمیل اور پیروی کے عزم کے ساتھ تلاوت کرے اور اس میں بیان ہونے والے قصص اور امثال سے عبرت حاصل کرے جب اور کی صفات کا بیان آئے تو کہے سبحان اللہ اور جب ان آیتوں سے گزرے جن میں جنت اور اللہ کی رحمت کا بیان ہے تو اللہ سے فضل و کرم فرمانے کی دعا کرے اور جب ان آیتوں سے گزرے جن میں دوزخ کا اور اللہ کے غضب کا بیان ہے تو پناہ مانگے"

غرض یہ دونوں دوائیں جہاں زنگ خوردہ قلب کو صیقل کرنے کا ذریعہ ہے وہاں اخروی زندگی کی راحتوں کی ضمانت ہے خوب کہ اکبر الہ آبادی نے

ز قرآں بے خبر منشیں و از عقبیٰ مشو غافل
چہ خوش گفت اکبر خوش گو حساب آنجا کتاب اینجا

تصوّف اور تعمیرِ سیرت

حافظ عبدالرزاق صاحب ایم اے

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

حقائق کا بیان ہو رہا تھا یہ حقیقت سامنے آچکی ہے کہ جب سالک کا کوئی لطیفہ منور ہو جاتا ہے تو اس کی روح میں یہ قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کی مدد سے سالک اپنے اعمال کا جائزہ لے اور لطیفے کی خصوصیات کا رنگ اس کی عملی زندگی میں ظاہر ہونے لگے لطائف کا منور ہونا دو پہلوؤں سے سالک کی سیرت پر اثر انداز ہوتا ہے ایک تو اسکی ذاتی سیرت کی تعمیر ہونے لگتی ہے دوسرا وہ فیلڈ ورک کے لیے تیار ہو جاتا ہے اور اپنی استعداد کے مطابق ماحول کو متاثر کرتا ہے اور خدا شناس معاشرہ کی تعمیر میں کوشاں ہوتا ہے

آج کی مجلس میں پانچویں لطیفے کا بیان ہوگا اس کا نام "اخفیٰ" ہے اس لطیفے کا فیض سالک کے باطن میں براہ راست محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آتا ہے تصوف و سلوک کی اصطلاح میں کہتے ہیں کہ زیر قدم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لطیفہ کے راسخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سالک میں اتباع سنت کی استعداد جذبہ اور شوق بیدار ہونے لگتا ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا

ز فرق تا بہ قدم ہر کجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

تاہم حضور اکرمؐ کے جتنے اوصاف تو اس قدر نکھرے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اس کا اعلان فرما دیا ہے ان میں سے ایک کا وصف کا بیان ان الفاظ سے ہوتا ہے

یعنی حضور اکرم کی تمام مخلوق کے لیے رحمت بنا کے مبعوث فرمایا گیا ہے مخلوق میں جمادات، نباتات، حیوانات، انسان، جن اور ملائکہ سب شامل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان کے علاوہ بھی مخلوق کی کوئی قسم ہو جس کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

مخلوق کے لیے نبی کریمؐ کی رحمت ہونے کی تفصیل بیان کرنا تو مجھ ایسے کم علم آدمی کے لیے ممکن نہیں ہاں اجمالی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور کی ذات مخلوق کی مختلف اقسام کے لیے جس طرح رحمت ثابت ہوئی اس کے نمونے حضور کی حیات طیبہ جا بجا ملتے ہیں اور حضور کی تعلیمات میں اس رحمت کا نشان اس صورت میں ملتا ہے کہ آپ نے مخلوق کے حقوق کے سلسلے میں جہاں انسانوں کے باہمی حقوق کی نشاندہی فرمائی وہاں نباتات کے حقوق حیوانات کے حقوق جنات کے حقوق ملائکہ کے حقوق بلکہ جمادات

نے حقوق بھی متعین فرمائے اور انھیں ادا کرنے کی تاکید فرمائی
انسانوں کے باہمی حقوق کی ایک جھلک دیکھنی ہو تو بعثت نبوی
کے وقت تاریخ عالم سے اقوام عالم کے حالات کا جائزہ لیجئے ہر
قوم میں بنی نوع کے حق میں درندہ بن چکا تھا برِعظیم میں ہندو تہذیب
نے آدم کی اولاد کو برہمنوں، ویشوں اور شودروں میں تقسیم کرکے
مستقل نفرت اور نسلی امتیاز اور باہمی مخاصمت کو معراج تک
پہنچا رکھا تھا کہیں زبان وجہ منافرت بنی ہوئی تھی کہیں جغرافیائی
حدود نے انسان کو انسان سے برسرپیکار کر رکھا تھا کہیں رنگ
نے انسان کو انسان کا دشمن بنا رکھا تھا اور سفید فام دنیا باقی
دنیا کے رہنے والوں کو انسان ہی نہیں سمجھتے تھے غرض دنیا کی
حالت یہ تھی کہ ؎

سانپ تو سانپ کو نہیں ڈستا
آدمی آدمی کو ڈستا ہے

حضور اکرم نے یہ سارے امتیاز ختم کر دیئے یہ سب
بت توڑ دیئے یہ سب مصنوعی حدبندیاں ختم کر دیں اور
اعلان فرمایا

کلکم بنو آدم و آدم من تراب

تم سب ایک آدم کی اولاد ہو اور آدم کی خلقت
مٹی سے ہوئی تو غرور کس بات کا اکڑنا کس برتے پر اور اپنے
بھائیوں کی تحقیر و تذلیل کس وجہ سے آپ نے صرف یہ اعلان
ہی نہیں کیا بلکہ اپنے شاگردوں کی تربیت کرکے ایسے معاشرے
کی تعمیر کی اور عملاً تعمیر کی کہ دوسروں کو مطلق خاطر میں نہ
لانے والے قریشی کالے رنگ والے بلال کو سیدنا بلال
کہنے میں خوشی محسوس کرنے لگے ان سب مصنوعی امتیازات
کو ختم کرکے حضور عزت و برتری کا ایک بین الاقوامی اور
عالمگیر اصول دیا کہ

کہ تم میں سے معزز وہ ہے جس کا اپنے رب سے
زیادہ تعلق ہے یعنی عزت کا معیار تعلق مع اللہ قرار دیا
کسی عربی کو عجمی پر کسی گورے کو کالے پر برتری جتانے کا غیر
انسانی جذبہ ختم کر دیا اور انسان جو انسان کا دشمن تھا جس نے اپنے
بنی نوع کی زندگی اجیرن کر رکھی تھی حضور کے فیض کا اثر ہوا کہ
وہ جو دوسروں کا مال لوٹنے میں فخر محسوس کرتے تھے اب دنیا
کے امین ترین انسان شمار ہونے لگے وہ جو دوسروں کی عصمتیں
لوٹتے تھے اب عصمتوں کے محافظ بن گئے وہ جو دوسروں کو
بے آبرو دیکھنا پسند کرتے تھے اب دوسروں کے پاسبان
بن گئے ؎

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

حضور کی ذات جو سراپا رحمت تھی رحمت کے وہ نمونے
ملتے ہیں کہ انسانی تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کر سکتی حضور کے
محبوب چچا حضرت حمزہ کا قاتل وحشی غلام اسلام قبول کرنے نے
آتا ہے وہ منظر چشم تصور کے سامنے آجاتا ہے کہ کس طرح بے دردی
سے اس نے قتل کیا پھر کس طرح کلیجہ نکالا گیا اسے چبایا گیا اور جب
کہ وہ بے بس ہے حضور کو پوری قدرت حاصل ہے کہ اس سے انتقام
لیں مگر رحمت عالم کی رحمت جوش میں آتی ہے اس کو مسلمان کیا
جاتا ہے بس اتنا کہا جاتا ہے کہ اور شہر میں جا کر رہے کہ اس کے سامنے
آنے سے چچا کے قتل کے زخم تازہ ہو جاتے ہیں

۱۳ برس تک مکے والے حضور کو ہر وہ ایذا دیتے ہیں جس
کا ایک نام کا انسان کا بھی تصور نہیں کر سکتا ہے مگر فتح مکہ کے موقع
پر جب حضور فاتحانہ مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو ان تمام درندہ
صفت انسانوں کو مجرم کی حیثیت سے حضور کے سامنے
لا کھڑا کیا جاتا ہے انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کے سر
قلم کر دیئے جاتے ان کی لاشوں کو روندا جاتا ان کی بوٹیاں

لتوں اور گندنوں سے بھری جاتیں مگر رحمۃ للعالمین کا مقام کیسے ہوتا مگر وہ ہو کر رہا اور حضور نے اعلان فرمایا۔

لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقاء

میرے جانی دشمنو! جاؤ تم آزاد ہو میں تمہیں کوئی سزا نہیں دیتا یہ رویہ رحمت للعالمین کے اور کون اختیار کر سکتا ہے۔

اس لطیفہ کے راسخ ہونے کا تقاضہ یہ ہے کہ سالک کی سیرت پر حضور کی اس رحمت للعالمین کی جھلک پڑنے لگے وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑے وہ روٹھنے والوں کو منائے وہ گرتوں کو سہارا دے وہ گمراہ لوگوں کو راہ ہدایت پر لائے وہ تباہ ہونے والوں کو تباہی سے بچا لے وہ بگڑے ہوئے لوگوں کو سنوارے وہ بیماروں کا علاج کرے وہ دشمنوں کی دشمنی بھول جائے وہ دوستوں کی بے جا حمایت سے بچے اس کی دوستی بھی اللہ کے لیے ہو اور دشمنی بھی اللہ کے لیے ہو اور اس کی ہر ادا زبان حال سے کہہ رہی ہو ؎

ہم تو جیتے ہیں کہ دنیا میں تیرا نام رہے۔

حضور کی دوسری خصوصیات کا اعلان ان الفاظ سے ہوا ہے

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے اس میں ایک تو زندگی کے کسی خاص پہلو کی تخصیص نہیں بلکہ مطلق ہے جس سے مراد یہ ہے کہ زندگی کے ہر پہلو میں تمہیں نبی کریم کا اتباع کرنا ہوگا حاکم اور رعایا کے لیے امیر اور غریب کے لیے مدعی اور مدعا علیہ کے لیے جج اور مستغیث کے لیے سپاہی اور جرنیل کے لیے تاجر اور گاہک کے لیے زندگی کے ہر پہلو میں حضور اکرم کی زندگی میں رہنمائی موجود ہے اور انسان کی کامیابی اور سکون کا راز حضور کی اتباع میں ہی پوشیدہ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی خاص قوم، ملک یا زمانہ کے ساتھ تخصیص نہیں بلکہ قیامت تک اقوام عالم کے لیے حضور کی زندگی ایک کامل نمونہ ہے

اس لطیفہ کے منور اور راسخ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سالک میں اتباع سنت کی کامل استعداد پیدا ہو چکی ہے اب اسے اپنی روزمرہ کی زندگی کا جائزہ لینا ہے اور بڑی احتیاط عقیدت اور خلوص کے ساتھ ہر قدم پر یہ دیکھنا ہے کہ اتباع سنت کا دامن ہاتھ سے جانے نہ پائے۔

اس سلسلے میں یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ترک سنت اور خلاف سنت کی وجہ غفلت بھی ہو سکتی ہے نادانی اور جہالت بھی ہو سکتی ہے یہ دونوں حالتیں نسبتاً کم نقصان دہ ہیں مگر ارادۃً ترک سنت لازماً سالک کو تباہی کی طرف لے جاتا ہے کیونکہ کام تو ہر حال کرنا ہے اگر سنت کے مطابق نہ ہوا تو لازماً اپنا تجویز کردہ طریقہ ہوگا یا رسم و رواج کی پابندی ہوگی دونوں صورتوں میں سنت سے بے قدری ظاہر ہے

خلاف سنت کرنے کی بھی کئی وجوہات ہو سکتی ہیں

اول عدم علم بظاہر یہ ایک معقول عذر ہے مگر اس کا نقصان لازمی ہے جیسے کوئی شخص عدم علم کی بنا پر زہر کھا لے تو گو وہ خودکشی کا مجرم قرار نہ دیا جائے مگر یہ عدم اس کی ہلاکت کی راہ میں حائل نہ ہو سکے گا دوسری وجہ جان بوجھ کر خلاف سنت کام کرنا ہے یہ حرکت پرلے درجے کی مجرمانہ جسارت ہے جب ایک شخص عہد کر چکا ہے کہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زندگی کے ہر معاملہ میں اپنا پیشوا تسلیم کرتا ہوں پھر عمداً حضور اکرم کی مخالفت کرنا بدعہدی بھی ہے منافقت بھی اور اکرتوں کا مظاہرہ بھی اللہ تعالیٰ اس حماقت سے

نمونہ رکھے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمۃ اللعالمینی تو عام ہے ساری مخلوق اس سے حصہ لے رہی ہے مگر آپ کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کیلئے دو اوصاف کا ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے ارشاد ہے۔

لِمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا

یعنی فکر عمل کی سمت کا درست ہونا ضروری ہے یہ یقین دل میں موجود ہو کہ مجھے ایک روز اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کھڑے ہو کر اپنے اعمال کے متعلق جواب دینا ہے اور اعمال کا نقشہ یہ ہو کہ ہر حال میں اللہ کی یاد دل میں موجود رہے اور عمل سے اس کا اظہار ہوتا رہے گویا عملی زندگی میں جب تک ذکر کثیر کی عادت نہیں، ہوتی حضور کے اسوہ حسنہ کی پیروی مشکل ہے ذکر کثیر ہی اتباع سنت کا محرک ہے اور سالک نے ذکر کثیر کی بدولت جب اپنے لطائف کو منور کر لیا ہے تو اب اس کے سامنے اتباع سنت کے راستے میں کون سی رکاوٹ باقی رہ گئی

اطاعت عموماً اس شخص کی جاتی ہے جس کے متعلق گمان غالب ہو کہ یہ میرا خیر خواہ ہے اور اس سے میرے کئی کام متعلق ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں بھی حضور کی حیثیت بیان فرما دی کہ

عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

یعنی تمہاری تکلیف دیکھ کر نبی کریم کا دل دکھتا ہے پھر حریص علیکم یعنی حضور ہر وقت تمہاری بھلائی کے لیے کوشاں رہتے ہیں جس شخص میں یہ دو وصف موجود ہوں اس سے بڑھ کر خیر خواہ کون ہو سکتا ہے اس کے باوجود بھی کوئی شخص اپنی زندگی میں حضور کے اسوہ کو نمونہ کے طور پر اپنے سامنے نہ رکھے تو اس سے زیادہ بدنصیب اور کون ہو سکتا ہے۔

حضور اکرم نے اپنی سیرت کا یہ پہلو ایک حدیث میں بیان فرما دیا جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ یوں سمجھو کہ گھپ اندھیری رات ہے جنگل بیابان ہے ایک شخص آگ روشن کرتا ہے چاروں طرف سے پروانے جمع ہو جاتے ہیں اور لپک لپک کر آگ پر گرتے ہیں وہ شخص کنارے کھڑا دونوں ہاتھوں سے پروانوں کو ہٹا رہا ہے آگ سے بچانے کی کوشش کرتا ہے مگر رکنے کا نام نہیں لیتے آگ میں گرتے ہی چلے جا رہے ہیں میری حیثیت اس آدمی کی سی ہے اور تمہاری حالت ان پروانوں کی ہے تم جہنم کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہو اور میں تمہیں اس آگ سے بچانے کی مسلسل کوشش میں مصروف ہوں۔

ظاہر ہے کہ پروانے آگ سے بچ جائیں تو روکنے والے کا کچھ نہیں سنورتا اور اگر وہ جل جائیں تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا پھر بھی وہ برابر روکتا چلا جاتا ہے جو اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کے دل میں خیر خواہی کے جذبات بھرے ہیں اور اس کی اس مسلسل جدوجہد کا محرک صرف ان کی خیر خواہی کا جذبہ ہے۔

اطاعت اور اتباع میں بڑا فرق ہے اطاعت یہ ہے کہ حکم ہے اور تعمیل کر دے مگر اتباع یہ ہے کہ حکم کے انتظار پر ہی اکتفا نہ کرے بلکہ مطاع کی پسند و ناپسند دیکھ کر اس کے مطابق زندگی کا نقشہ بنائے اس کی ہر ادا کو محبوب سمجھے اور ہر حرکت میں اس کی تقلید کی فکر میں رہے اور یہ صورت اس وقت ممکن ہو سکتی ہے جب مطاع محبوب بھی ہو ورنہ اطاعت ورنہ اطاعت محض ضابطے کی کاروائی ہو گی اس کے اندر روح مفقود ہو گی حضور کی حیثیت

محض مطاع کی نہیں بلکہ محبوب مطاع کی ہے جبھی تو آپ
نے فرمایا کہ

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من
والدہ وولدہ والناس اجمعین اوکما قال

یعنی آدمی کامل مومن ہو ہی نہیں سکتا جب
تک اسے تمام محبوب چیزوں سے بڑھ کر مجھ سے محبت
نہ ہو

محبت ایک جذبہ ہے یہ دل کا فعل ہے اس لیے
اس بارے میں بڑی غلط فہمیاں پیدا ہو سکتی ہیں ایک
صورت محبت ہے ایک حقیقت محبت ہے صورت محبت
سے حقیقی محبت کو دھوکا دیا جاتا بھی ہے اور لوگ دھوکا
کھا بھی جاتے ہیں صورت محبت میں ساری قوت نمائش
اور نعروں تک ہی صرف ہوتی ہے اور ساری کوشش
تصنع بناوٹ اور اشتہار تک ہی محدود رہتی ہے سنت
کے مطابق کام کرنے تسلی نہیں ہوتی اس لیے سنت میں
پیوند لگائے جاتے ہیں اضافے کئے جاتے ہیں قطع وبرید
شروع ہو جاتی ہے ترمیم وتجدید عمل کا آغاز ہوتا ہے اس
میں شک نہیں کہ اس طریقے سے نظر فریبی اور سامعہ نوازی کا
شوق پورا ہو جاتا ہے مگر سنت کی توہین یقیناً ہوتی ہے جیسے
پٹرول میں مٹی کا تیل ملا دینے سے مقدار تو بڑھ جاتی ہے مگر انجن
کا ستیاناس ہو جاتا ہے اور گاڑی بے کار ہو جاتی ہے پٹرول
جب مٹی کا تیل ملتا ہے تو اس کی قوت بھی کمزور کر دیتا ہے
اس لیئے محض صورت سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے اس
کے بڑے دور رس نتائج ہوتے ہیں اور ایسا کرنے سے کئی چھپی
ہوئی بیماریوں کا سراغ ملتا ہے مثلاً۔

۱۔ سنت کی شکل کو بدلنے اور اس میں من مانے اضافے
کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معاذ اللہ نبی کریم نے
دین کو نامکمل چھوڑ دیا اب میں اس کی تکمیل کر رہا ہوں۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ نے دین پہنچانے میں غفلت برتی
(معاذ اللہ) یہ بات دین کا حصہ تھی آپ نے نہیں پہنچایا

۳۔ اس حرکت سے انکار ختم نبوت ظاہر ہوتی ہے اور
ایسا کرنے والا در حقیقت خود مدعی نبوت ہوتا ہے گو زبان سے
نہ کہے کیونکہ دین یا عبادت کی شکل متعین کرنا نبی ہی کا کام ہے
غیر نبی کا یہ منصب نہیں۔

خواجہ پندارد کہ دارد حاصلے
حاصل خواجہ بجز پندار نیست

حقیقی محبت کے انداز ہی دوسرے ہوتے ہیں وہاں
نہ تصنع ہے نہ بناوٹ نہ نمائش ہے نہ نعرہ بلکہ کہنے والے
کہتے ہیں

اے مرغ سحر عشق ز پروانہ بیاموز
وہ کیسے؟
کاں سوختہ را جاں شد و آواز نیامد

کاملین تو جذبات سے مغلوب نہیں ہوتے محبوب کی
مقرر کردہ حدود وقیود سے سر مو انحراف نہیں کرتے بلکہ
نازک ترین مواقع پر بھی انکی حالت یہ ہوتی ہے کہ

با چنیں زور جنوں پاس گریباں داشتم
در جنوں از خود نہ رفتن کار ہر دیوانہ نیست

محبوب نے خود محبت کا معیار بتا دیا کہ

من احب سنتی فقد احبنی

جسے میری سنت محبوب ہے وہ میری محبت کے دعوے
میں سچا ہے

ورنہ

ودونہا خرط القتاد

مختصر یہ کہ پانچویں لطیفے کے راسخ ہونے کی علامت یہ

ہے کہ آدمی کے اندر اتباع سنت، وامر بالمعروف نہی عن المنکر اور مخلوق کی بھلائی اور بہتری کا جذبہ روز بروز ترقی کرتا چلا جائے۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

سالک کا وجود تبلیغ مجسم ہو سالک کے شب و روز سے یہ ظاہر ہو کہ اس کے ہر عمل پر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ٹھپہ لگا ہوا ہے

دیکھئے حضور کی تیرہ سالہ مکی زندگی میں کتنے آدمی دائرہ اسلام میں آئے پھر مدینہ طیبہ میں چھ برس آزادی کے گزرے مگر اہل مکہ سے مقاطعہ کی صورت تھی ۶ھ میں صلح حدیبیہ کے موقع پر کل ۱۴۰۰ کے قریب آدمی اس مہم میں ساتھ مگر صلح نامہ میں ایک شرط یہ رکھی گئی کہ اہل مکہ اور مسلمانوں میں آزادانہ ملنے جلنے کی آزادی ہوگی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کی تعداد اتنی تھی کہ متحرک انسانوں کا ایک سمندر موجیں مارتا نظر آتا ہے اس کی وجہ مورخین خواہ کچھ ہی بتائیں اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کفار نے جب مدینہ کے مسلمانوں کو قریب سے دیکھا ان سے ملے جلے لین دین کیا تو انہیں محسوس ہونے لگا کہ یہ لوگ ہماری ہی قوم اور قبیلوں کے افراد ہیں ان کی اور ہماری زندگی میں وہی فرق ہے جو ایک انسان اور جانور کی زندگی میں ہوتا ہے تو انہیں تسلیم کرنا پڑا کہ محمد رسول اللہ کی تعلیمات واقعی اس قابل ہیں کہ انہیں اپنایا جائے گویا صحابہ کرامؓ کے وجود ہی مجسم تبلیغ بن چکے تھے ان کے افکار ان کے اعمال ان کے رہن سہن ان کی معاشرت زبان بے زبانی میں وہ سب کچھ کہہ جاتی جسے کہنے کے لیئے ایک بے عمل مبلغ کو سٹیج سجانے پڑتے ہیں آلۂ جہیر الصوت کا سہارا لینا پڑتا ہے مگر نتیجہ وہی کہ الفاظ زبان سے نکل کر فضا میں گم ہو جاتے ہیں۔

اس لیے سالک کا فرض منصبی یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی کے ہر پہلو میں نبی کریم کا اسوہ حسنہ مشعل راہ بنائے رکھے۔

طریق ہدایت

افادات امام غزالیؒ

(مولانا محمد رضوان صاحب)

بُرے کاموں سے پرہیز

دیکھو! دین کے دو جُز ہیں (۱) ممنوعات سے دور رہنا (۲) ماموراٰت یعنی اطاعات کا بجالانا۔ ممنوعات سے رُکنا بہت بڑا کام ہے۔ کیونکہ اطاعات کا بجالانے اور اس کے کرنے پر ہر شخص قادر ہوتا ہے لیکن خواہشات کا چھوڑنا سب کا کام نہیں یہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کے دل و دماغ صداقت و اخلاص سے بھرپور ہوں یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

کہ مہاجر تو وہ ہے جو بُرے کاموں کو چھوڑ دے اور مجاہد وہ ہے جو اپنی خواہشات کا مقابلہ کرے اور حکم خداوندی پر سرِ نیاز خم کردے۔

ذرا سوچو! تم ان اعضاء سے اپنے رب کی نافرمانی کروگے حالانکہ یہ اعضاء خدا کی طرف سے عطیہ اور امانت ہیں لہٰذا ان اعضاء سے خدا کی نافرمانی کرنا کتنی بڑی غداری اور اس کی ناشکری ہے اور باری تعالےٰ نے جب بطور امانت یہ اعضاء دیئے ہیں تو ان میں خیانت کتنی بڑی سرکشی ہے یاد رہے کہ یہ اعضاء تمہاری رعایا ہیں تمہیں ان کی حفاظت ضروری ہے۔

(حدیث) "تم میں ہر ایک محافظ اور نگہبان ہے ہر ایک سے اپنی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا"

دیکھو قیامت کے دن تمہارے تمام اعضاء تمہارے مقابلہ میں ایسی چلتی ہوئی زبان سے شہادت دیں گے کہ تم کو تمام مخلوق کے سامنے رسوا ہونا پڑے گا قرآن کہتا ہے۔

(ترجمہ) جس دن کہ ان پر شہادت دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ اور پیر جو کچھ کہ وہ کرتے تھے دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے

(ترجمہ) اس دن ہم ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ہم سے ان کے ہاتھ بات کریں گے اور ان کے پیر شہادت دیں گے

جب ایسی بات ہے تو اپنے بدن کو خصوصاً سات عضو کی حفاظت کرتے رہو کیونکہ ان اعضا کے لئے سات دروازے جہنم کے ہیں اور ہر ایک انہیں کے لئے متعین ہے ان دروازوں سے وہی داخل ہوگا جو ان سے خدا کی نافرمانی کرے اور یہ ہاتھ[۱]، ناک[۲]، کان[۳]، زبان[۴]، پیٹ[۵]، شرمگاہ[۶] اور پیر ہیں۔

آنکھ اس لیے دی گئی ہے کہ تم اس کے ذریعے تاریکیوں میں چل سکو اور اپنی ضروریات میں مدد لے سکو اور زمین و آسمان کے عجائبات قدرت کو دیکھو اور عبرت حاصل کرو لہٰذا اس کو تین یا چار چیزوں سے بچاتے رہو

(۱) غیر محرم کو مت دیکھو (۲) کسی ملیح صورت کو شہوت سے مت دیکھو۔ (۳) کسی مسلم کو حقیر نظر سے نہ دیکھو (۴) کسی مسلم

کے عیب کو دیکھنے کی کوشش مت کرو۔

کان کو بری، غیبت کی باتوں سے دور رکھو۔ فحش اور لغو باتوں سے بچاؤ اور ایسے تذکرے سننے سے بھی کان کو دور رکھو جس میں لوگوں کو برائی ہو۔ تمہیں تو کان اس لیے دیے گئے ہیں کہ ان سے اللہ کا کلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور اور بزرگوں کی حکمت کی باتیں سنو اور ان کے ذریعے علم حاصل کر کے ہدایت تک پہنچو اور آخرت کی زندگی سنوارو اور جب تم بیہودہ باتوں کی طرف اسے متوجہ کرو گے تو بجائے خوشنودی کے رسوائی اور کامیابی کی بجائے تمہاری ہلاکت ہوگی اور یہ کتنا برا گھاٹا ہے ——— یہ بات یاد رکھو کہ فحش باتوں کا کہنے والا ہی گنہگار نہیں ہوتا بلکہ سننے والا بھی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے "

سننے والا کہنے والے کا شریک ہوتا ہے وہ بھی غیبت کرنے والوں میں کا ایک ہوتا ہے۔

خدا نے اس لیے دی ہے کہ تم اسکا ذکر کرو اور اس کی کتاب قرآن **زبان** پاک کی تلاوت کریں اور اس کی مخلوق کو ہدایت کی راہ بتاؤ اور اس سے اپنی دینی و دنیاوی ضروریات کا اظہار کرو اگر تم نے اسے ان کے علاوہ ایسے کام میں استعمال کیا کہ جس کی اللہ نے اجازت نہیں دی تو کفران نعمت اور ناشکری کرو گے حالانکہ اللہ تم پر اور تمام مخلوق پر سب سے بڑھ کر غالب آئے لوگ اوندھے منہ دوزخ میں اپنی زبان کی بیہودہ گوئیوں کی وجہ سے جائیں گے لہٰذا تمہیں چاہیے کہ اپنی زبان ہمیشہ قابو رکھو کہ کہیں دوزخ میں نہ ڈال دے ——— حدیث میں ہے کہ آدمی کوئی بات ایسی نہ کہے جس کی وجہ سے ان کے ساتھی ہنسیں اور وہ اس کی وجہ سے جہنم میں گر جائیں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مبارک زمانے میں ایک شخص قتل کیا گیا تو ایک آدمی نے کہا مبارک ہو اس کی جنت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کیا پتہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس نے ایسی بات کہی ہو جو اس کے لیے مفید نہ رہی ہو اور ایسی چیز میں بخل کیا ہو کہ جسکا رہنا آدمی کو غنی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا تم اپنی زبان کو آٹھ چیزوں سے محفوظ رکھو۔

(۱) **جھوٹ** مذاقاً ہو یا حقیقتاً کبھی نہ بولو۔ دیکھو مذاق میں جھوٹ بولنے کا اگر تمہارا نفس عادی ہو گیا تو ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ عادت تمہیں حقیقتاً بھی جھوٹ بلوا دے حالانکہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے جب تم نے یہ بات جان لی تو یاد رہے اگر جھوٹ تم بولو گے تو اس کی وجہ سے تمہاری وقعت جاتی رہے گی۔ تمہارا اعتبار لوگوں سے اٹھ جائے گا۔ تمہاری بات کی کوئی اہمیت نہیں ہوگی۔ اور لوگ تمہیں ذلت و حقارت سے دیکھیں گے ——— اور اگر تم اپنے اندر جھوٹ کے برا ہونے کو دیکھنا چاہتے ہو تو کسی غیر کے جھوٹ دیکھو کہ کس طرح تمہاری طبیعت اس سے برگشتہ اور متنفر ہوتی ہے تم اس کو کتنا حقیر سمجھنے لگتے ہو؟ اور اس کی بات کو کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے ——— ایسے ہی تم اپنے تمام عیوب کو دیکھو اس لیے کہ تمہیں اپنے عیوب کا صحیح احساس تبھی ہو سکتا ہے جب کہ تم ان عیوب کو دوسروں میں دیکھو، اور ان میں ان عیوب کے ہونے سے تمہیں ان سے نفرت ہو گی۔ اور تم ان سے خوش نہیں ہو سکتے۔ تو جب یہ عیوب خود تمہاری میں ہوں تو بھلا کیسے انہیں پسند کرو گے۔؟

(۲) **وعدہ خلافی** دیکھو! کبھی تم ایسا وعدہ نہ کرو کہ جسے تم پورا نہ کر سکو بلکہ تمہیں تو چاہیے کہ لوگوں کے کام بغیر کہے کر دو۔ اور اگر کسی وجہ سے تمہیں وعدہ کرنا پڑے تو ضرور کر دو ہاں مگر کوئی سخت عذر پیش آجائے تو مجبوری ہے کیونکہ وعدہ خلافی اور بد اخلاقی کی علامت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "ثلاث من کن فیہ منافق وان صام وصلی من اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ایتمن خان" (ترجمہ) تین خصلتیں جس میں پائی جائیں گی تو وہ منافق ہے اگرچہ وہ روزہ رکھتا ہے، نماز پڑھتا ہو (۱) ایک تو وہ جو بات کرتا ہو تو جھوٹ بولتا ہو۔ (۲) اور جب اس کے پاس امانت رکھی جاتی ہو تو خیانت کرتا ہو"

(۳) **غیبت** سے زبان کو محفوظ رکھنا، غیبت شریعت میں تیس

زنا کے جرم بھی زیادہ سخت ہے جیسا کہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے ـــــ غیبت کے معنی یہ ہیں کہ تم کسی شخص کے بارے میں ایسی باتوں کا تذکرہ کرو کہ اگر وہ ان باتوں کو سُنے تو بُرا مانے اور رنجیدہ ہو ایسی صورت میں تم غیبت کرنے والے ظالم ہو۔ اگرچہ تم اپنی بات میں سچے ہو اور دکھانے والے اور جتانے والے قاریوں کی عیبت سے پرہیز کرو یعنی اشارے سے انہیں سمجھاؤ۔ مثلاً یوں نہ کہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہدایت کرے کہ تم نے مجھے رنجیدہ اور غمگین کر دیا ہے۔ لہٰذا ہم باری تعالیٰ کی جناب میں عرض گزار ہیں کہ ہماری اور تمہاری اصلاح فرما دے۔ کیونکہ یہ دو برائیوں کو شامل ہے۔ ایک تو غیبت، اگر وہ تمہاری اس بات کو سمجھ لے دوسرے اپنے نفس کا تزکیہ اور تعریف

ہاں! اگر تمہیں واقعی اس کے حق میں دعا کرنی ہو تو تنہائی میں کرو، اگرچہ تم اس سے رنجیدہ ہوئے ہو۔ اس کے عیب کو ظاہر کر کے اُسے رُسوا نہ کرو اور غیبت کے بدترین گناہ ہونے کی دلیل خدا کا قول "ولا یغتب بعضکم بعضا ایحب احدکم ان یاکل لحم اخیہ میتا فکرھتموہ (پارہ ۲۶) ہی کافی ہے جس کے معنی ہیں" بھلا خوش لگتا ہے تم کو یہ کہ کھائے گوشت اپنے بھائی کا جو مردہ ہو۔ سو گھن آتا ہے تم کو اس سے ـــــ کیا ہی اچھا ہو کہ تم غیبت سے بچتے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ تم سوچو کہ کیا میرے اندر بھی کوئی ظاہری یا باطنی عیب ہے یا میں کسی معصیت کا شکار ہوں؟ جب تم اپنی معصیت پر اور عیب پر مطلع ہو جاؤ گے تو سمجھ لو کہ جس طرح تم اپنے نفس کو معصیت اور عیب سے دور رکھنے میں اپنے آپ کو معذور اور عاجز سمجھتے ہو تو اسی طرح اس شخص کو بھی معذور جانو جس کی تم غیبت کرتے ہو۔ اور جیسے تم اپنی رسوائی اور اپنے عیوب کے افشا کو ناپسند کرتے ہو ایسے ہی وہ ناپسند کرتا ہے کہ کوئی اس کی عیب جوئی کرے۔ اگر تم اس کے عیوب کو چھپاؤ گے تو تمہارے عیوب کی پردہ پوشی اللہ تعالیٰ کرے گا۔ اور اگر تم نے ایسا نہ کیا اور اس کو رسوا ہی کر دیا تو یاد رہے کہ تمہارے اوپر نہایت تیز طرار زبانیں مسلط کر دے گا جو تمہاری عزت و آبرو پر دنیا میں بھی چہ میگوئیاں کریں گے۔ اور پھر آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے رسوا کرے گا۔ اگر تم نے اپنے ظاہر و باطن کو دیکھا اور دینی و دُنیاوی کسی قسم کے نقص پر مطلع نہیں ہوئے تو تم اپنے نفس کے عیوب سے جاہل ہو جو سب سے بڑی حماقت ہے اور حماقت تو سب سے بڑا عیب ہے۔ اگر خدا تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرے تو تمہیں تمہارے نفس کے عیوب پر مطلع کر دیتا ہے لہٰذا تمہیں اپنی ذات کو بے عیب سمجھنا سب سے بڑی نادانی ہے۔ اور اگر تم واقعی ایسے ہو تو خدا کا شکر ادا کرو۔ اور تم کسی کی عیب جوئی اور پردہ دری مت کرو، کیونکہ ایسا کرنا تو بہت بڑا عیب ہے۔

(۴) **مناقشہ** یعنی کسی سے گفتگو میں الجھنا بھی مناسب اور شایان شان نہیں۔ کیونکہ اس میں مخاطب کو تکلیف ہوتی ہے اور اُسے گویا جاہل قرار دینا ہوتا ہے۔ اور اس پر طعن ہوتا ہے اور اپنی تعریف کرنی ہوتی ہے اور اپنے مُنہ میاں مٹھو بننا ہوتا ہے ـــــ دوسری بات یہ کہ کسی سے لڑائی جھگڑا اچھی زندگی کو ختم کر دیتا ہے۔ اس لئے کہ اگر تم کسی احمق سے لڑ پڑے تو وہ تمہیں تکلیف دے گا۔ اور اگر کسی حلیم و بُردبار سے مڈبھیڑ ہو گئی تو وہ تمہارا مقابلہ نہیں کرے گا لیکن بغض و حسد رکھے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: "من ترک المراء وھو مبطل بنی اللہ لہ بیتا فی ربض الجنۃ و من ترک المراء وھو محق بنی اللہ لہ فی اعلی الجنۃ" (ترجمہ) جو شخص جھگڑے کو چھوڑ دے اور وہ جھوٹا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو وسعت جنت میں جگہ دیتے ہیں۔ اور جو شخص جھگڑے کو چھوڑ دے اور وہ سچا ہو تو اللہ تعالیٰ اسے جنت کے اعلیٰ حصہ میں جگہ دیتے ہیں

تمہیں مناسب نہیں ہے کہ تمہیں شیطان دھوکہ دے اور کہے کہ تم حق کا اظہار کرو اور اس میں کسی پر رحم کرنے کی ضرورت

نہیں۔ دیکھو شیطان ہمیشہ بے وقوف لوگوں کو بھلائی کی جگہ برائی پر اُبھارتا ہے۔ اس لئے کبھی ایسا نہ ہو کہ تم اس کے بہکائے میں آجاؤ اور وہ تم سے مذاق و استہزا کرنے لگے۔

ہاں! حق کا اظہار اُس شخص کے سامنے بہتر اور پسندیدہ ہے جو اسے قبول کرلے۔ اور طریقہ اس کا یہ ہے کہ تم اُسے نہایت نرمی سے تنہائی میں سمجھاؤ۔ نصیحت کا یہی طریقہ ہے کہ نرمی کی جائے ورنہ سختی کی صورت میں نصیحت، نصیحت نہیں رہے گی بلکہ فضیحت بن جائے گی۔ اور بجائے اصلاح کے فساد پیدا کردے گی۔

جو شخص زمانے کے کسی بڑے عالم اور فقیہ کی صحبت میں رہتا ہے تو اس زمانے کے فساد پھیلانے والے علماء اس کی تعریف کرنی شروع کردیتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی طبیعت میں مناقشہ اور جھگڑا غالب آجاتا ہے۔ تو ایسے لوگوں سے کنارہ کشی کئے رہو! دیکھو جھگڑا خدا اور مخلوق دونوں کی ناراضگی کا سبب ہوتا ہے۔

(۵) نفس کا تزکیہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے۔

"فلا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ" (ترجمہ) اپنے نفس کو مزکی مت کہا کرو (لوگوں سے) کیونکہ خدا زیادہ جانتا ہے کہ کون زیادہ متقی ہے"

بعض حکماء سے پوچھا گیا کہ بُرا سچ کیا ہے؟ تو کہا کہ اپنی تعریف تو کہا کہ اپنی تعریف آپ کرنا۔ لہٰذا تمہیں اس سے بچنا چاہئے اور دوسری بات یہ ہے کہ جو اپنی تعریف خود کرتا ہے وہ لوگوں کی نظر سے گر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ ناراضگی کا سبب ہوتا ہے اور اگر تم اسے پرکھنا چاہتے ہو تو اپنے ساتھیوں کو دیکھو اپنی بڑائی آپ کرتے ہیں۔ کیا تمہارا دل ان سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ اور جب ان سے جدا ہوجاتے ہو تو تم انہیں اپنے نزدیک بُرا سمجھنے لگتے ہو۔ ٹھیک اسی طرح خود کو بھی کہ جب تم اپنی تعریف خود کرو گے تو کیا تمہارے ساتھی تم سے نفرت نہیں کریں گے اور تمہیں بُرا نہیں سمجھیں گے اور جس کا تمہارا بھی اپنی زبانوں سے تمہارے نہ موجود ہونے میں کریں گے۔

(۶) لعنت دیکھو! خدا کی بنائی ہوئی چیز کو بُرا مت سمجھو، اور کسی شخص پر لعن طعن مت کرو۔ اور کسی کتابی کے سلسلے کفر کا قطعی فیصلہ مت کرو اور نہ نفاق کا۔ کیونکہ دل کی بات تو خدا ہی کو معلوم ہے۔ اس لئے تمہیں اس میں مداخلت کا حق نہیں اور تم سے قیامت کے دن یہ تھوڑا ہی پوچھا جائے گا کہ تم نے فلاں شخص پر لعنت کیوں نہیں کی؟ بلکہ اگر تم پوری زندگی میں شیطان پر کبھی بھی لعنت نہ کرو اور نہ اس کا ذکر کرو تو بھی تم سے اللہ تعالیٰ اس کا سوال نہیں کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خراب کھانے کا بُرا نہیں کہتے تھے۔ بلکہ اگر اس کی خواہش ہوتی تو کھا لیتے ورنہ چھوڑ دیتے۔

(۷) بددعا دیکھو کسی کے حق میں بددعا نہ کرنا خواہ اس نے تم پر ظلم ہی کیوں نہ کیا ہو! اگر ایسا اُس نے کیا ہے تو تم اس کو اللہ کے سپرد کردو۔ حدیث میں ہے۔

" ان المظلوم لیدعو علی ظالمہ حتی یکافئہ ثم یکون للظالم فضل عندہ یطالبہ بہ یوم القیامۃ" (ترجمہ) مظلوم اپنے ظالم کے حق میں بددعا کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ چکا لیتا ہے۔ پھر ظالم کا حق مظلوم کے اوپر کچھ ہوجاتا ہے جس کا مطالبہ ظالم مظلوم سے قیامت کے دن کرے گا۔

بعض لوگوں نے حجاج کے بارے میں اپنی زبانیں سخت سست کیں تو بعض بزرگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے بدلہ لے گا جیسے کہ حجاج سے لے گا ان لوگوں کی وجہ سے جن پر اس نے ظلم کیا ہے۔

باقی

خدایا ایں کرم بارِ دگر کُن

حافظ عبد الرزّاق

پھر سوئے حرم لے چل!

توفرمودی رہِ بطحا گرفتیم
وگرنہ جز تو مارا منزلے نیست

رہ نوردانِ عشق کا ایک قافلہ گھروں سے نکل پڑا۔ کیوں؟ "توفرمودی۔ لہٰذا رہ بطحا گرفتیم" ہم نے بطحا کی راہ لی مگر اس "ہم" میں کئی "میں" جمع نظر آتی ہیں۔

اُف! اس "میں" سے پیچھا نہ چھوٹا، سچ فرمایا۔ "انا الحق گفتن آسان است واناراشکستن مشکل است" چلنے کی ہمت کس نے دی چلنے کے وسائل کس نے عطا کئے؟ اگر "ہماری" چھٹی نہ منظور ہوتی تو ....

اگر ہمارے اندر ارادہ نہ پیدا ہوتا تو ....

اگر ہماری صحت بگڑ جاتی تو ....

اگر ہمیں زادِ راہ میسر نہ آتا تو ....

اگر تمام دوسرے وسائل میسر نہ آتے تو...... تو "ہم" کیسے لبھا کی راہ لیتے
ایک تنکا کس زبان سے کہہ سکتا ہے کہ میں کہربا کیطرف جا رہا ہوں۔ لوہا
کس منہ سے کہہ سکتا ہے کہ میں مقناطیس کی طرف دوڑا جا رہا ہوں۔
مگر اس زمین "؟" نے ہمیں تنکے اور لوہے سے کہیں دور پستی میں جا گرایا۔ اچھا تو
کہہ دو :

قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

محاسنہ هیولیٰ کل حسن

د مقناطیس أنشدۃ الرجال

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی

ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب ناز میں

وہ نہ بلائیں تو ہم جائیں کیسے وہ نہ لے جائیں تو ہم چلیں کیونکر۔ وہ نہ اٹھائیں
تو ہم اٹھیں کیسے۔ اگر ہم کو جلا نہیں سکتے تو یوں کرو۔ کہ "ہم" کو "ان" کے حوالے کرتے
چلو اور کہو :

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر

ہم ان کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

تو "ہم" کیا ہے "ان" کے اسم خالق، مصور، صانع کا مظہر صوری، صورت
مکانی :

صورت از بے صورتی آمد بروں

باز شد انا الیہ راجعون

اب کہو:

منزل ما جز تو کس نیست

انت مقصودنا۔ وضاک مطلوبنا ——————:

زبانِ ما غریباں از نگاہیست

حدیثِ دردمنداں اشک و آہیست

کشادم چشم و بربستم لب خویش

سخن اندر طریق ما گناہیست

خیر تو جب ہماری منزل تو ہے تو کیا تو وہاں نہیں ہے بلکہ تو کہاں نہیں ہے پھر رہ بطحا گر فتن کیوں۔ دل کہتا ہے "تیرے گھر" جا رہے ہیں۔ کیا تو اپنے گھر میں نہیں ملے گا۔ تو مکان میں سما کہاں سکتا ہے۔ ہاں تو جو دل یہ کہہ رہا ہے کیا وہ خود اس کا گھر نہیں۔ داناؤں سے سنتے آئے ہیں کہ "دلِ مومن" اس کا مسکن ہے مگر.....

یہ بجا کہ خلوتِ دل میں تو ہے ہزار رنگ سے جلوہ گر

مگر آ کے سامنے بیٹھ جا کہ نظر کو خوئے مجاز ہے

استغفر اللہ ثم استغفر اللہ کیا کہہ گئے ہو۔

آنے اور بیٹھنے کی نسبت اس ذات سے کرنا جو بے چوں و بے چگوں ہے لیس کمثلہ شیئ ہے لا تدرکہ الابصار اس کی صفت ہے انسان کتنا عاجز ہے نادان ہے واقعی:

گفتار کے اسلوب پہ قابو نہیں رہتا

جب روح کے اندر متلاطم ہوں خیالات

یا نفسُ لا تقنطِی من زلّتِہٖ عظمت

ان الکبائرَ فِی الغفران کا للمَم

جب نگاہ اسے دیکھ نہیں سکتی بلکہ اس کی تجلّی کی تاب نہیں لا سکتی جب وہ سرحد ادراک سے ماوراء ہے۔ جب حواس اس کا ادراک نہیں کر سکتے بلکہ یہ کہنا پڑتا ہے "اے برتر از خیال وقیاس وگمان و وہم" تو وہاں جا کر کیسے دیکھو گے تمہاری نگاہیں کیسے تلاش کریں گی؟

اسے جو نظر میں آ نہیں سکتا۔ ہاں تلاش تو اسی کی ہوگی۔ مگر اس نے اپنی شانِ کریمی سے ہمارے ظرف کے مطابق ہمارے مطلب کو پورا کرنے کی ایک صورت پیدا کر دی۔ کہ آؤ سر کی آنکھوں سے میرے گھر کا نظارہ کرو۔ اور قلب کی آنکھ سے میرے انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرو۔ اور خوب سمجھ لو کہ:

ہے پرے سرحدِ ادراک سے اپنا مسجود

قبلے کو اہلِ نظر قبلہ نما کہتے رہیں

حقیقت کعبہ منزلِ روح ہے اور صورتِ کعبہ مظہر منزلِ روح ہے۔ عالمِ ناسوت میں جسمِ ناسوتی کے لئے مظہر ہی سامانِ طمانیت ہے کیونکہ صورت صورت ہی سے مناسبت رکھتی ہے اور اس جسمِ ناسوتی کے اندر جو عالم امر کی امانت ہے۔ اس کی منزل حقیقتِ کعبہ ہے اس لئے یہ ادھر متوجہ رہے۔ اور وہ ادھر محور ہے حتی کہ یہ دوئی ختم ہو جائے۔ اور صورت کے اندر حقیقت

دکھائی دینے لگے۔ اللّٰھم ارزقناہ بحرمۃ عزتک یا محسنُ!

جسم حرکت "أین" میں محور ہے اور روح حرکت "کیف" میں مستغرق۔ اس "ہم" میں نہ جانے کتنے اور کیسے کیسے "ہم" جمع تھے کہ "ہم" ذہنی طور پر تو ۳ تاریخ سے گھر سے روانہ ہوئے کہ ۴ کو جمعہ کی نماز کراچی میں ادا کریں گے، اور سہ پہر کو کراچی سے پرواز کر کے دیارِ حبیبؐ کو روانہ ہوں گے۔ ادھر عالمِ ناسوت کا سورج غروب ہو رہا ہوگا کہ روحانی دنیا میں آفتاب طلوع ہو رہا ہوگا، کہ ہم اس سرزمین میں قدم رکھیں گے، جس سے آفتابِ ہدایت کی ضیاء پاشی شروع ہوئی تھی، مگر اطلاع ملی کہ ہمارا ارادہ عمل کی صورت اختیار نہیں کر سکیگا بلکہ انتظار کی گھڑیاں طویل ہو گئی ہیں،

یعنی ۵ مارچ ۱۹۷۷ء کو پنڈی سے رات نو بجے روانہ ہوں گے اور ۶ کو صبح جدہ پہنچیں گے۔ کچھ ادھر کا بھی اشارہ چاہیئے

بس "ہم" روانہ ہوتے ہوتے رہ گئے اور پانچ تاریخ کا انتظار کرنے لگے ابھی یہ مرحلہ طے نہ ہو پایا کہ نئی اطلاع آئی کہ وہ پروگرام بھی ملتوی ہوا، اب نو کو ۹ بجے پنڈی سے روانگی ہوگی اور ۴۵-۱ پر کراچی سے پرواز کریں گے، اور ادھر ظلمتِ شب سیماب پا ہوگی اور طلوعِ سحر کے قریب دیارِ حبیبؐ میں پہنچیں گے یعنی!

عرفتُ ربّی بفسخ العزائم

یہی کہہ سکتے ہیں کہ:

بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں

گھر سے روانگی

۹ مارچ سورج طلوع ہوا اور یوں لگتا ہے کہ بلاوا آگیا ہے گھر سے روانہ ہوئے اور بعد دوپہر پنڈی پہنچے اِدھر اُدھر سے ساتھی جمع ہونے لگے سورج غروب ہوا۔ اجتماعی دعا ہوئی رخصت ہوئے ۸ بجے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ ۹ بجے جہاز روانہ ہوا کوئی گیارہ بجے کے قریب کراچی پہنچے یعنی شوق اڑائے لئے جا رہا ہے۔

کراچی پہنچے غسل کیا احرام باندھا نفل پڑھے دعا کی، الٰہی بدن کو صاف کرنا تو ہمارے جزوی اختیار میں تھا اگر تو اس کی توفیق نہ دیتا تو ہم سے اتنا بھی نہ ہو سکتا تھا مگر باطن کو صاف کرنا تو کلیتہً تیرے اختیار میں ہے اور کام اتنا مشکل کہ تو نے تخلیقِ آدم کے روز سے ہی اس کا انتظام اپنے ذمہ لیا اور تیرے کرم کا کیا ٹھکانہ تو برابر اس کا اہتمام کرتا ہی رہا۔ آخر میں جس منزکی کو بھیجا اس کی بعثت کو اپنا انعام خصوصی قرار دیتے ہوئے اعلان فرمایا کہ:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ۔

الٰہی جب وہاں جا رہے ہیں جہاں بیٹھ کر اس مزکّیٔ اعظمؐ نے عمل تزکیہ شروع کیا، دکھ سہتا رہا، مصائب جھیلتا رہا مگر عمل تزکیہ ایک لمحہ کے لئے نہ موقوف کیا نہ معطل کیا اور وہاں بھی وہی لے جائے گا جہاں اس مزکی اعظمؐ نے اپنا یہ اہم کام تکمیل تک پہنچایا۔ الٰہی!

ایسا نہ ہو کہ یہ صفائی بدن تک ہی محدود رہے اور خدانخواستہ واپس آکر حالت یہ ہو کہ:

غوطے تو لگائے زمزم میں اور غرق ہیں حبِ دنیا میں
پانی نے بدن کو پاک کیا اب دل کو طاہر کون کرے

الٰہی ہم دل کی طہارت کے لئے ہی تو حاضرِ خدمت ہو رہے ہیں اور تو نے اعلان کر رکھا ہے کہ میرے سامنے جو ہاتھ پھیلتا ہے ان ہاتھوں کو خالی لوٹانے سے مجھے شرم آتی ہے تو واقعی دامن پُر کر دیتا ہے جھولیاں بھر دیتا ہے اور تیری دین بقدرِ ظرف ہوتی ہے اور کبھی ظرف میں وسعت پیدا کر کے اسے پھر بھر دیتا ہے اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے۔ یہ آواز آتی ہے:

تو ہی نادان چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

تو جو کچھ بھی کرتا ہے اس میں یقیناً کوئی حکمت ہوتی ہے اور تو جو کچھ کرتا ہے اور جیسے کرتا ہے اور جب کرتا ہے وہی ضروری، وہی موزوں اور وہی

مناسب ہوتا ہے انسان اپنی کم فہمی سے کبھی اس حکمت کو سمجھ نہیں پاتا اور نادانی سے صرف شکایت لب پہ لے آتا ہے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا۔

غسل سے فارغ ہوئے لباس بدلا اور اس بدلے ہوئے لباس کے لئے اصطلاح بدلی کہ احرام باندھا کیوں؟ اس لئے کہ تو نے حکم دیا اس کیوں کا اصل جواب تو یہی ہے مگر یہ دلِ ناداں اس کی مصلحت بھی سمجھنا چاہتا ہے الٰہی! اس کی مصلحت بھی تو ہی اسے سمجھا دے تاکہ یہ خود کہنے لگے کہ میرے پروردگار میرا یہ عمل اس امر کا اظہار ہے کہ اب میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ اپنی پسند سے دست بردار ہوتا ہوں۔ اب کپڑے کی کوالٹی دیکھنے اور اپنی پسند کے مطابق انتخاب کرنے کا جنون رخصت ہوا۔ لباس کی تراش خراش اور ڈیزائن تجویز کرنے کی دھن جاتی رہی اور لباس کی تیاری کے لئے کاریگر کی تلاش کی فکر ختم ہو گئی۔ اب مجھے وہی لباس پسند ہے جو تجھے پسند ہے جب میں اپنے لباس تک کے معاملے میں اپنی پسند سے دست بردار ہوتا ہوں۔ تو کیا اپنے عقائد میں عبادات میں، معاملات میں اخلاق میں اپنی پسند ہی کا غلام بنا رہوں گا۔ پھر اس تضاد سے کیا حاصل ہو گا؟ لہٰذا دل کو مخاطب کر کے کہا:

سُن اے غارت گرِ جنسِ وفا سُن

کہ یہ دست برداری دراصل جسم کے اندر جو ایک دنیا موجود ہے۔ افکار و نظریات ذہنی روحانی صلاحیتیں، عقل اور جذبات پھر جسم کے ظاہری حصّے

یعنی اعضاء جوارح سے اعمال و افعال کی جو وسیع دنیا عالم وجود میں آتی ہے اس کے بعد لباس کا نمبر آجاتا ہے۔ اس لئے اس لباس کی تبدیلی کے ساتھ ہی اپنے اندر جھانک کر دیکھو کیا اس پورے عالم اصغر میں اپنی پسند سے دست بردار ہونے کا عہد کر رہے ہو یا نہیں اگر ایسا نہیں تو ایسی ایکٹنگ تو ہر ایکٹر روزانہ کرتا ہے لہٰذا بہروپیا بننے سے اللہ کی پناہ۔

بہرحال اس ابتدائی تیاری کے بعد محبوب کی ملاقات کے لئے ظاہری آداب کی یہ بات سرفہرست آتی ہے ان آداب کے ساتھ ہی ساتھ اپنے باطن کی خبر بھی لو۔ خیر ۲ بجے رات کراچی سے روانہ ہوئے اور سوا چار گھنٹے بعد جدہ پہنچے۔

(جاری)